مناسب رہائش کا مسئلہ ہمیشہ سے انسانی معاشرے کی ایک اہم ضرورت رہا ہے۔مناسب رہائش انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جس کی تائید پاکستان کا ملکی آئین بھی کرتا ہے۔لیکن اس کے باوجود پاکستان میں خاص طور پر شہروں میں رہائش کا مسئلہ ایک سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں شہری علاقوں میں کچی آبادیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔موجودہ دور میں سیاسی، معاشی اور سماجی فریقین کے کردار اور مداخلت نے عام لوگوں کے لئے رہائش کے مسئلے کو کافی پیچیدہ بنا دیا ہے لیکن ترقی کا کوئی بھی تصور لوگوں کے رہائشی مسائل کو حل کئے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔

کچی آبادیاں کیوں بنتی ہیں؟ کچی آبادیوں بارے میں پائے جانے والے فکری مغالطوں کا جائزہ، لاہور میں کچی آبادیوں کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ اس میں کون کون سے فریقین ملوث ہیں؟ مقامی لوگوں نے کچی آبادیوں میں اپنے رہائشی حقوق کے حوالے سے کیا جدوجہد کی ہے؟ ریاستی اداروں نے اس مسئلے کو حل کرنے کے حوالے سے اب تک کیا کردار ادا کیا ہے؟ لاہور میں کچی آبادیوں کی صورتحال میں بہتری کے حوالے سے کیا اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے؟ یہ ہیں وہ سوالات جن کے بارے میں ہم اس کتابچہ میں بات کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہزاریہ ترقی کا ہدف 7، ٹارگٹ 11:

Millennium Development Goals, Goal 7:Target 11

''سال 2020 تک کچی آبادیوں کے کم از کم 100 ملین مکینوں کی زندگیوں میں نمایاں بہتری لانے کے مقصد کے حصول کے لیے سستی رہائش اور گھروں سے متعلق انفراسٹرکچر کے بڑھتے ہوئے وسائل کی فراہمی کی فوری ضرورت کا ادراک کرنا، کچی آبادیوں کو محفوظ بنانے اور ان کی اپ گریڈنگ کو ترجیح دینا۔''

مناسب، محفوظ اور قوت خرید کے مطابق گھر یہ وہ بنیادی مسئلہ ہے جس سے آج ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کے شہروں میں رہنے والے کم آمدنی کے لوگوں کو سامنا ہے۔اس وقت دنیا کی 32% آبادی، یعنی ایک ارب سے زیادہ لوگ کچی آبادیوں میں رہ رہے ہیں۔ماہرین کے مطابق 2050ء تک آتے آتے دنیا کی 70% آبادی شہروں میں رہ رہی ہوگی اور شہر سازی کا یہ عمل زیادہ تر ترقی پذیر ممالک میں وقوع پذیر ہوگا۔ 2007 اور 2025 کے درمیان ترقی یافتہ ممالک کی شہری آبادی میں سالانہ 30 لاکھ جبکہ ترقی پذیر ممالک کی شہری آبادی میں سالانہ 5 کروڑ 30 لاکھ کا اضافہ متوقع ہے۔(1)

دنیا کے شہر کل زمین کا صرف 2% ہیں جبکہ آج انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ دنیا کی نصف سے زیادہ آبادی شہروں میں رہائش پذیر ہے۔جو کہ ہماری زمین سے حاصل ہونے والے 75% وسائل استعمال کر رہے ہیں۔(2) بیسویں صدی کی نصف دہائی تک دنیا میں ہر دس میں سے تین لوگ شہروں میں رہتے تھے، جبکہ آج دنیا میں ہر دوسرا انسان شہر میں رہ رہا ہے۔اسی طرح 2000ء سے 2010ء کے درمیان ترقی پذیر ممالک کی شہری آبادی میں سالانہ اوسطاً 5 کروڑ 80 لاکھ کا اضافہ ہوا ہے۔(3)

ترقی پذیر ممالک کی 37% جبکہ جنوبی ایشیاء کی 43% شہری آبادی کچی آبادیوں میں رہ رہی ہے۔مختلف تحقیقات کے نتیجے میں سامنے آنے والے اعداد و شمار کے مطابق دنیا کی شہری آبادی میں روزانہ 193,107 شہریوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔جس کے مطابق ہر ماہ ترقی پذیر ممالک میں 50 لاکھ اور ترقی یافتہ ممالک میں 50 ہزار شہریوں کا اضافہ ہو رہا ہے۔جن میں سے زیادہ تر کا تعلق غریب اور کم آمدنی والے طبقوں سے ہوتا ہے، جو روایتی سیکٹر کے ذریعے رہائش اور دیگر سہولیات کی فراہمی حاصل کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔(4)

گذشتہ پانچ دہائیوں میں ایشیاء نے چند بہت بڑی جغرافیائی تبدیلیاں دیکھی ہیں۔ان میں سے سب سے بڑی ڈرامائی تبدیلی لوگوں کی دیہات

سے شہروں کی جانب نقل مکانی ہے۔ ایشیائی شہروں اور قصبوں میں رہنے والی آبادی کا تناسب ملک کی کل آبادی کے مقابلے میں تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ 1950ء میں تقریباً 232 ملین لوگ شہروں میں رہتے تھے جو ایشیاء کی کل آبادی کا 17 فیصد ہیں۔ 2005ء میں ایشیائی شہری آبادی کی تعداد بڑھ کر ایک ارب چھ کروڑ نفوس تک پہنچ چکی ہے، جو خطے کی کل آبادی کا 40 فیصد ہے۔ اقوام متحدہ کے اعداد و شمار کے مطابق 2030ء تک دنیا بھر میں شہروں میں آباد انسانوں میں سے ہر دوسرا انسان ایشیائی ہوگا۔ (5) ایشیائی شہروں کی صورت حال یہ ہے کہ ان کو ہر دن ایک لاکھ بیس ہزار رہائشیوں کو اپنے اندر سمونا ہوتا ہے جس کے لیے روزانہ 20 ہزار گھروں کی ضرورت ہے۔ (6)

انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے آرٹیکل 25 میں بیان کیا گیا ہے کہ "ہر ایک کو ایسے معیار زندگی کا حق حاصل ہے جو بشمول خوراک، لباس اور رہائش اس کی اور اس کے خاندان کی صحت اور بہبود کے لیے کافی ہو۔"

آئین پاکستان کے باب 2 میں جہاں پر بنیادی انسانی حقوق اور ریاستی پالیسی کے راہنما اصول واضع کئے گئے ہیں کہ آرٹیکل 38-d میں واضح طور پر درج ہے کہ حکومت انسانی زندگی کی بنیادی ضرورتوں جیسے کہ خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور طبی سہولتوں کو کسی جنس، ذات، نسل، عقیدہ کی تمیز رکھے بغیر عوام الناس کو فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

کچی آبادیاں کیوں وجود میں آتی ھیں؟

UN-HBITAT کے مطابق کچی آبادیاں اور غیر قانونی بستیاں اس لیے بنتی ہیں کیونکہ غریب لوگ زمین اور رہائش کی رسمی مارکیٹوں میں کم از کم درجے کی رہائش برداشت کرنے یا زمین تک رسائی رکھنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ان میں سے بے شمار وقت، سرخ فیتے اور بہت سی دیگر مشکلات کی وجہ سے رہائش اور زمین تک رسائی کے سلسلے میں رکاوٹوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہیں۔ زیادہ سے زیادہ شہری زمین اور رہائش کی مارکیٹیں شدید معاشی مقابلے میں شامل ہو چکی ہیں، جس کے نتیجے میں ہر قسم کی رہائش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اس حد تک کہ رسمی شعبے کی رہائش کے کم از کم معیارات بھی غریبوں کی پہنچ سے بہت دور ہو چکے ہیں مارکیٹ سے باہر دھکیل دیئے جانے کے بعد کم آمدنی والے غریب لوگوں کے پاس ایک ہی صورت بچتی ہے: غیر رسمی مارکیٹ میں نسبتاً چھوٹے سائز، غیر معیاری طرز تعمیر کے حامل اور کم از کم خدمات کی سہولت کے ساتھ مکان بنانا، خریدنا یا کرائے پر حاصل کرنا۔ (7)

بڑھتی ہوئی آبادی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، شہروں میں دستیاب مواقع (شہروں میں ہجرت کی بڑی وجہ) کم آمدنی اور غربت، کام والی جگہوں کے نزدیک رہائش پذیر ہونے کا رجحان اور سب سے بڑھ کر سست رفتار معاشی ترقی وہ عوامل ہیں، جن کی وجہ سے شہروں میں کچی آبادیاں وجود میں آتی ہیں۔ جو لوگ کام کی تلاش میں شہروں کی طرف ہجرت کرتے ہیں، کام مل جانے کے بعد وہ اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے باقی افراد کو بھی شہر بلا لیتے ہیں۔ مناسب رہائش کی سہولیات کی تلاش میں ناکامی اور اچھی رہائشی سہولیات قوت خرید سے باہر ہونے کی وجہ سے وہ اپنے کام والی جگہ کے نزدیک گھر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلے ایک گھر بنتا ہے، پھر دوسرا اور پھر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں گھر بننے لگتے ہیں۔ حکومتی اداروں کی مجرمانہ خاموشی اور ملی بھگت سے ان کچی آبادیوں کو فراہمی آب اور بجلی مہیا کر دی جاتی ہے۔ سیاستدانوں کے لئے یہ کچی آبادیاں ووٹ بنک ہیں۔ سیاستدان ان غیر قانونی آبادیوں کے رہائشیوں کو ایک سیاسی قوت کے طور پر منظم کرتے ہیں اور اس طرح کچی آبادی ایک مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے۔ (8)

قوت خرید کے مطابق اچھی زمین اور روایتی ہاؤسنگ زیادہ تر شہریوں خاص طور پر مڈل اور کم آمدنی والے لوگوں کی پہنچ سے باہر رہتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی اکثریت ایسی ہاؤسنگ اختیار کرتی ہے، جو مروجہ منصوبہ بندی کے معیارات کی مطابق نہیں ہوتیں۔ (9)

موزوں رھائش کا حق ۔ بنیادی انسانی حق

انسانی حقوق کی متعدد قسمیں ہیں تاہم ان سب کا ایک مشترکہ مقصد ہے جو اس بات کا ضامن ہے کہ افراد باوقار زندگی گزار سکیں۔شہری حقوق مثلاً انصاف پانے کا حق اور سیاسی حقوق مثلاً حق رائے دہی ان حقوق میں شامل ہیں۔ان کے علاوہ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق ہیں۔مثلاً موزوں رہائش کا حق۔انسانی حقوق کا اعلامیہ (1948) ان اہم ترین دستاویزات میں سے ایک ہے جس میں تمام انسانی حقوق کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

چونکہ یہ انسانی حقوق عالمی طور پر تسلیم شدہ ہیں، اس لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی فرد امیر ہے یا غریب، بوڑھا ہے یا جوان، عورت ہے یا مرد۔انسان کو انسانی حقوق محض اس بنیاد پر حاصل ہیں کہ وہ انسان ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ان حقوق کا لازمی احترام کیا جائے، ان کا تحفظ کیا جائے اور بلا امتیاز ان پر عمل درآمد کیا جائے۔

پاکستان نے ان بین الاقوامی معاہدوں کی توثیق کی ہے جو حقوق انسانی سے متعلق ہیں۔یہ معاہدے ان بین الاقوامی قوانین کا حصہ ہیں جو یا تو مختلف ممالک کے درمیان کئے گئے ہیں یا بین الاقوامی تنظیموں جیسے اقوام متحدہ کے ساتھ کئے گئے ہیں۔

پاکستان نے قانونی طور پر اس بات کی رضامندی کا اظہار کیا ہے کہ وہ اہم ترین انسانی حقوق پر کاربند رہے گا۔جن میں درج ذیل حقوق شامل ہیں۔

- ☆ معاشی، سماجی، سیاسی حقوق کا بین الاقوامی عہدنامہ
- ☆ شہری اور سیاسی حقوق کا بین الاقوامی عہدنامہ
- ☆ تمام قسم کے نسلی امتیازات کے خاتمے کا بین الاقوامی عہدنامہ
- ☆ عورتوں کے خلاف تمام قسم کے امتیازات کے خاتمے کا بین الاقوامی عہدنامہ
- ☆ اذیت رسانی اور تمام قسم کے ظالمانہ، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک وسزا کے خلاف بین الاقوامی عہدنامہ
- ☆ بچوں کے حقوق کا عہدنامہ

رھائش کے حقوق:

رہائش کے حقوق میں وہ تمام حقوق شامل ہیں جو انسانوں کو ایک مناسب اور محفوظ گھر میں رہائش پذیر ہونے کا موقع فراہم کریں۔ایک مناسب درجے کی رہائش گاہ کا حق رہائشی حقوق کا اہم ترین حصہ ہے۔تمام افراد کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے گھر میں مکمل تحفظ، امن، چین اور پروقار طریقہ سے رہ سکیں۔اسی لئے ایک مناسب درجے کی رہائش گاہ تک دسترس کا انحصار کسی فرد یا معاشی مرتبہ سے منسلک نہیں ہونا چاہیے۔

مناسب رہائش گاہ کے حق کی شق بہت سے بین الاقوامی معاہدوں کی دستاویزات میں موجود ہے جن کی توثیق پاکستان نے کی ہے۔ان میں سے اہم ترین آرٹیکل 11(1) ہے جو معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کے بین الاقوامی عہدنامے

International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights(ICESCR) میں شامل ہے۔پاکستان نے اس معاہدے پر 1992ء میں دستخط کئے تھے۔

1991ء میں اقوام متحدہ کی معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کی کمیٹی (۱) نے ایک عمومی تبصرہ (2) جاری کیا تھا جس مین اس حق کی وضاحت کی گئی تھی کہ مناسب رہائش گاہ کے حق میں سات عناصر شامل ہیں۔

اقوام متحدہ کی معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کی کمیٹی (ICESCR) کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ ممبر ممالک پر نظر رکھی جائے کہ وہ اس معاہدوں پر عمل درآمد کریں، فریق ریاستوں پر (وہ ممالک جنہوں نے اس معاہدہ پر دستخط کئے ہوں) لازم ہوگا کہ وہ ہر پانچ سال بعد کمیٹی کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کریں۔جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ انہوں نے ان قوانین پر عمل درآمد کے لیے کس حد تک اقدامات کئے ہیں۔کمیٹی عمومی تبصرہ بھی جاری کرتی ہے، جس میں مناسب رہائش گاہ کے حقوق کی تشریح کی جاتی ہے۔

(مناسب رہائش کا حق: مقامی حکومتوں کے لئے راہنما اصول، اربن ریسورس سنٹر، کراچی، 2006، صفحہ 2)

شہری ترقی کے معروف ماہر عارف حسن اپنی کتاب ''ہجرت اور پاکستان میں چھوٹے شہر'' میں کہتے ہیں کہ ''ہجرت کی خاص وجوہات دیہات کے ثقافتی اور اقتصادی ماحول میں ہونے والی تبدیلیاں ہیں''۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ''پہلے پنجاب میں نہری آبادیوں کی تشکیل، پھر 1947ء میں بھارت سے ہجرت، اس کے بعد 1960ء کے سبز انقلاب کی ٹیکنالوجی اور ساتھ ہی دیہاتوں سے مارکیٹ تک ترسیل کے نظام نے مبادلہء اجناس کی معیشت کو زرنقد کی اقتصادیات میں تبدیل کر دیا۔ اس نے ذاتوں کے تعلقات کو مکمل طور پر تبدیل کر دیا اور سماجی و اقتصادی حرکت پذیری کو دستکاروں کے لئے ممکن بنا دیا جو ایک قسم کی غلامی سے آزاد ہوئے۔

متذکرہ تبدیلیوں کی وجہ سے بقائی زراعت سرمایہ پیدا کرنے والی زراعت میں تبدیل ہوگئی اور زرنقد کی طلب کا سبب بنی جو کہ دیہاتی اقتصادیات آبادی کے غریب طبقے کے لئے پہلے نہیں کر پاتی تھی۔ شہروں کی صنعتی ترقی نے غیر ہنرمند اور ہنرمند مزدوروں کی مانگ کو جنم دیا۔ یہ ہنرمندی دستکار طبقے میں موجود تھی۔ اس سے ہجرت کی ابتدا ہوئی۔

کاشتکاروں کی بتائی ہوئی ہجرت کی دوسری وجوہات کے مطابق زرعی پیداوار بہت زیادہ گراں ہوگئی اور چھوٹے کاشتکار روزانہ آمدنی کی بنیاد پر دستی کام کرنے کے لئے مجبور ہوگئے تاکہ وافر مقدار میں زرنقد حاصل کیا جا سکے۔ دوسری وجوہات یہ بتائی گئی ہیں کہ آبادی میں اضافے کی وجہ سے زمین پر دباؤ بڑھ گیا ہے۔ شہروں میں ہجرت کی ایک خاص وجہ کام کرنے والوں اور دیہاتوں میں بچوں اور خصوصاً لڑکیوں کی تعلیم بتائی گئی ہے۔ خاندانوں، قبیلوں اور پڑوس میں مسابقت کی دوڑ کی وجہ سے بھی ہجرت ہوئی ہے۔'' (10)

ساری دنیا میں پائی جانے والی کچی آبادیوں کی خصوصیات میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ تقریباً تمام طرح کے کیسیز میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ کچی آبادیوں میں رہنے والے لوگ زیادہ تر گاؤں یا چھوٹے شہروں سے ہجرت کر کے آتے ہیں۔ کچی آبادیوں کا قیام یا ان میں بتدریج ترقی انہی ہجرتوں کا نتیجہ ہے۔ ڈھاکہ کی کچی آبادیوں میں رہائش پذیر لوگوں میں سے 90% دیہی علاقوں سے ہجرت کر کے آئے ہوئے ہیں۔ (11)

UN-HABITAT کچی آبادیوں میں مقیم گھرانوں کی تعریف یوں کرتا ہے کہ یہ افراد کا ایسا مجموعہ ہے جو کسی شہر میں ایک ہی چھت تلے رہتے ہیں اور درج ذیل پانچ شرائط میں سے ایک یا ایک سے زیادہ شرائط سے محروم ہیں:

☆ **پائیدار رہائش:** کسی محفوظ اور خطرے سے پاک جگہ پر مستقل نوعیت کے میٹریل سے تعمیر شدہ۔

☆ **کافی گنجائش کا حامل رہائشی حصہ:** تاکہ ایک کمرے میں تین سے زیادہ افراد کو سر نہ چھپانا پڑے۔

☆ **صاف پانی تک رسائی:** پانی ان کی ضروریات کے لیے کافی ہو، آسانی سے دستیاب ہو اور سستا ہو۔

☆ **موزوں نکاسی آب تک رسائی:**

☆ **رہائش کی مدت محفوظ اور قانونی ہو** جس سے گھرانے کو جبری بے دخلی کا شکار نہ ہونا پڑے۔

(ایشیائی شہروں میں غریبوں کے لیے رہائشی سہولتوں کی فراہمی، شہر کاری: شہری ترقی میں غریبوں کا کردار، کتابچہ نمبر 1، UN-HABITAT شائع 2000)

پاکستان میں شہر سازی، مہاجرت اور کچی آبادیاں

قیام پاکستان کے بعد 1951 میں ہونے والی پہلی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی شہری آبادی 6.019 ملین تھی، جو کہ پاکستان کی کل آبادی کا 17.8% بنتی تھی۔ 1998 میں ہونے والی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی شہری آبادی 42.458 ملین یا کل آبادی کا 32.51% شہری آبادی پر مشتمل تھا۔ عارف حسن کے مطابق 1998ء میں ہونے والی مردم شماری پر تنقید کرنے والے ان اعداد و شمار سے متفق نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان کی شہری

آبادی کل آبادی کے 50% کے قریب ہے۔ وہ اس بات کی طرف نشاندہی کرتے ہیں کہ بڑی تعداد میں شہروں کی مضافاتی آبادیوں کو 1998ء کی مردم شماری میں شہر کی میونسپل حدود میں شامل نہیں کیا گیا اوران کو دیہی علاقوں کا ہی حصہ رکھا گیا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ 1400 قصبے جن کی آبادی 5 ہزار سے زیادہ ہے ان کو بھی دیہی علاقوں میں دکھایا گیا ہے کیونکہ ان علاقوں میں مقامی شہری حکومتوں کے ڈھانچے موجود نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ نقاد اس بات کی بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ بڑی مرکزی شاہراؤں کے ساتھ واقع آبادیوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مرکزی شاہراؤں کے ساتھ واقع یہ آبادیاں شہری خصوصیات رکھتی ہیں جو کہ تقریباً تمام کی تمام غیر رسمی ہیں۔(12)

پاکستان میں شہر سازی کی رفتار جنوبی ایشیاء کی ممالک میں سب سے زیادہ ہے۔ پاکستان کی شہری آبادی 4.8% سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے۔ 1972 اور 1981 کے درمیان پاکستان کی شہری آبادی کل آبادی کا 25% سے بڑھ کر 28% ہوگئی، 1993ء میں پاکستان کی کل آبادی کا 32% شہری آبادی پر مشتمل تھا۔ یہ شہری آبادی معدود چند شہری حلقوں تک ہی محدود ہے۔ 42% سے زیادہ شہری آبادی چار بڑے شہروں میں رہ رہی ہے۔ جن میں کراچی، لاہور، فیصل آباد اور راولپنڈی۔ اسلام آباد شامل ہیں۔ **2005 تک پاکستان کی شہری آبادی کل آبادی کا 40% ہو جانے کی توقع تھی۔**(13)

قومی ہاؤسنگ پالیسی 2001ء کے مطابق پاکستان کی شہری آبادی کا 50% کچی آبادیوں میں رہ رہا تھا۔ اب یہ اعداد و شمار بھی 11 سال پرانے ہو چکے ہیں، افراط زر میں مسلسل اضافے اور ملک کی گرتی ہوئی معاشی صورتحال سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ اعداد و شمار اب 50% سے بڑھ گئے ہونگے۔ اس طرح 2001ء میں کچی آبادیوں کے حوالے سے وزارتِ ماحولیات، لوکل گورنمنٹ اور دیہی ترقی کی جانب سے شائع کردہ رپورٹ کے مطابق پنجاب کی 30% سے زائد آبادی کچی بستیوں میں رہ رہی ہے۔(14) جبکہ پنجاب کے شہری علاقوں میں 50% آبادی ایک کمرے کے مکان میں رہ رہی ہے۔ سندھ کی شہری آبادی کا 45% ایک کمرے کے مکان میں رہ رہے ہیں۔(15) کراچی میں کچی آبادیوں میں رہنے والے لوگ کل آبادی کا 55% ہیں، جبکہ فیصل آباد میں 60% لوگ کچی آبادیوں میں رہ رہے ہیں۔(16) **لاہور کے ماسٹر پلان 2021** کے مطابق شہر کی تقریباً 40% آبادی کچی بستیوں میں رہ رہی ہے۔(17) شہر میں بڑھتی ہوئی کچی بستیاں اس بات کا مظہر ہیں کہ روایتی پبلک اور نجی سیکٹر عام لوگوں کے رہائشی مسائل حل کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔

1998 کی مردم شماری کے مطابق لاہور میں ایک ہاؤسنگ یونٹ اوسطاً 7.1 افراد پر مشتمل ہے جبکہ اوسطاً تین افراد ایک کمرے میں رہائش پذیر ہیں۔ 32.8% ہاؤسنگ یونٹ ایک کمرے پر مشتمل ہیں۔ لاہور کے ماسٹر پلان 2021 کے مطابق لاہور میں 154,000 گھروں کی قلت ہے۔ جبکہ روایتی ہاؤسنگ سیکٹر کی جانب سے سالانہ 2500 پلاٹس سے زیادہ مہیا نہیں کئے جاتے ہیں۔(18)

ڈاکٹر احسان اللہ باجوہ اور دیگر کے مطابق ہر سال ملک کے مختلف حصوں سے چھ سے سات لاکھ لوگ پاکستان کے بڑے شہروں کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان شہروں میں رہائشی گھروں کی طلب میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں نئے گھروں کی تعمیر نہیں ہو رہی ہے۔(19)

عمومی طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ پاکستان میں کچی آبادیوں کی ابتدا 1947ء میں قیام پاکستان کے وقت مسلم مہاجرین کی آمد کے نتیجے میں ہوئی۔ 1947 اور 1959 کے درمیان حکومت ان مہاجرین کی رہائش کا مسئلہ حل کرنے میں بری طرح ناکام رہی۔ اس کے بعد 1960ء میں تیزی سے بڑھتی ہوئی صنعت اور شہر سازی نے اس عمل کو اور بھی تیز کر دیا۔(20)

قانونی فریم ورک

اس سے پہلے کہ ہم پاکستان اور لاہور میں کچی آبادیوں کے حوالے سے کوئی بات شروع کریں، آیئے ایک اجمالی سی نظر ان قوانین پر ڈالتے ہیں جو پنجاب میں کچی آبادیوں کے حوالے سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق رکھتے ہیں۔ پنجاب میں کچی آبادیوں کے حوالے سے جو قوانین موجود ہیں، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

The Punjab Katchi Abadis Act, 1992

پنجاب میں کچی آبادیوں کے حوالے سے یہ ایک بنیادی دستاویز ہے۔ یہ ایکٹ 9 ستمبر 1992ء کو پنجاب اسمبلی میں منظور کیا گیا۔ یہ صوبائی قانون پنجاب میں کچی آبادیوں اور ان کی Development اور Regularisation سے متعلقہ امور کا احاطہ کرتا ہے۔ اس ایکٹ کے سیکشن 3 کے تحت اس ایکٹ پر عمل درآمد کروانے کے لئے صوبائی حکومت کی جانب سے ایک ڈائریکٹوریٹ جنرل کے قیام کی منظوری دی گئی ہے۔ ایکٹ کے سیکشن 4 میں ڈائریکٹوریٹ جنرل کو مختلف اختیارات اور فرائض تفویض کئے گئے ہیں، جن میں حکومتی پالیسیوں پر عمل درآمد کروانا اور اس حوالے سے گائیڈ لائن طے کرنا، کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے اور ان میں انفراسٹرکچر کے کام کے ڈیزائین اور منصوبہ بندی کے حوالے سے سروے لسٹیں تیار کرنا، کچی آبادیوں میں بہتری کے لئے ترقیاتی اور معاشی منصوبہ بندی اور ان منصوبوں پر عمل درآمد کے حوالے سے حکمت عملی تیار کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ڈائریکٹوریٹ جنرل ان جگہوں کی نشاندہی کرے گا جن کو اس ایکٹ کے تحت کچی آبادی قرار دیا جانا ہوگا۔ سیکشن 5 کے تحت ہر اس ضلع اور تحصیل میں جہاں کچی آبادی واقع ہے، ایک عمل درآمدی کمیٹی (Implementation Committee) کے قیام کا کہا گیا ہے جو ایک چیئرمین اور چند دوسرے ممبران پر مشتمل ہوگی جن کو حکومت کی جانب سے مقرر کیا جائے گا۔ یہ کمیٹی حکومت اور ڈائریکٹوریٹ جنرل کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں معاونت فراہم کرے گی۔ اس کے علاوہ اپنے متعلقہ علاقہ میں کچی آبادیوں میں ہونے والے کاموں کے حوالے سے ڈائریکٹوریٹ جنرل اور دوسرے متعلقہ اداروں کے درمیان موثر رابطہ کاری بنائے رکھنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس ایکٹ کا سیکشن 6 ڈائریکٹوریٹ جنرل کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ کسی بھی ایسے قطعہ زمین کو جہاں لوگ 31 دسمبر 2006ء سے پہلے سے رہتے چلے آرہے ہیں اور وہاں پر گھروں کی کم از کم تعداد 40 ہو، ڈائریکٹوریٹ جنرل اس جگہ کو کچی آبادی قرار دے سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ جگہ وفاقی حکومت یا اس کے کسی محکمے یا ادارے کی ملکیت ہے تو اس جگہ کو کچی آبادی قرار دینے سے پہلے وفاقی حکومت کی رضامندی حاصل کرنا لازمی ہوگا۔ اسی طرح کسی فرد یا کسی نجی ادارے کی زمین کو اس وقت تک کچی آبادی قرار نہیں دیا جا سکے گا جب تک کہ اس فرد یا نجی ادارے اور ڈائریکٹوریٹ جنرل کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں طے پا جاتا۔ اس کے علاوہ ایسی تمام جگہیں جو سڑکوں، سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں، کھیل کے میدانوں، قبرستان، مساجد، باغات، لائبریری، ریلوے اور فراہمی آب اور سیوریج کے منصوبوں کے لئے مختص ہیں یا جہاں ہائی ٹینشن لائنز گذر رہی ہیں، ان جگہوں کو کچی آبادی قرار نہیں دیا جا سکے گا۔ اسی طرح جگہیں جو سیلاب کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہ ہوں ان کو بھی کچی آبادی قرار نہیں دیا جا سکے گا۔ اس کے علاوہ کچی آبادیوں کے رہائشیوں کی منتقلی، کچی آبادیوں کے فنڈز کے حوالے سے اس قانون میں وضاحت کی گئی ہے۔

Punjab Land Revenue Act, 1967

یہ قانون ریونیو افسر کی جانب سے زمین سے متعلقہ محصولات کے تخمینے اور اس کو اکٹھا کرنے کے حوالے سے تفصیل فراہم کرتا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت، ضلع کا ریونیو افسر اس ایکٹ کے تحت اس ضلع میں سرکاری زمین کا نگران ہوتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کے حوالے سے اس ایکٹ میں کوئی واضح تفصیلات موجود نہیں ہیں۔ اس ایکٹ میں عوامی جگہوں سے ناجائز تجاوزات کو ہٹانے کے حوالے سے بھی ریونیو افسر کے کسی قسم کے اختیارات کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے۔ جو کل اختیار ریونیو افسر کو حاصل ہے اس کی تفصیل ہمیں سیکشن 175 میں ملتی ہے جس کے تحت ریونیو افسر ان نجی جگہوں پر ناجائز تجاوزات کو روک یا ختم کر سکتا

ہے جو کہ آبادی کے رہنے والوں کے مشترکہ استعمال کے لیے مختص کی گئی ہو۔ اس آبادی میں رہنے والی کسی رہائشی کی جانب سے تحریری شکایت موصول ہونے بعد دوسرے فریق، جس پر ناجائز قبضے کا الزام ہو، اس کا موقف سننے کے بعد، ریونیو افسر اس جگہ کو خالی کروا سکتا ہے۔ اسی سیکشن 175 کے تحت ریونیو افسر کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ ناجائز قبضے والی جگہ پر موجود عمارت یا کسی قسم کے سٹرکچر کو گرا سکتا ہے۔

The Punjab Local Govt Bill 2012

اس قانون کے باب 10, سیکشن 132 کے تحت کوئی بھی شخص لوکل گورنمنٹ کے زیر انتظام کسی گلی، سڑک یا قبرستان میں کسی جگہ کوئی ناجائز قبضہ نہیں کر سکتا۔ لوکل گورنمنٹ انتظامیہ ایسے کسی ناجائز قابض کو نوٹس دینے کے بعد اس کو وہاں سے بے دخل کر سکتی ہے اور اس کے لیے اگر وہ چاہے تو طاقت کا استعمال بھی کر سکتی ہے۔ جو کوئی بھی لوکل گورنمنٹ کی یا اس کے زیر انتظام کسی عمارت یا اراضی پر ناجائز قبضہ کرے گا، لوکل گورنمنٹ انتظامیہ اس کو مناسب نوٹس دینے کے بعد وہاں سے بے دخل کر سکتی ہے۔ کوئی بھی شخص لوکل گورنمنٹ انتظامیہ کی جانب سے نوٹس جاری ہونے کے بعد، نوٹس کی مدت کے دوران اس کے خلاف حکومت نے جو اتھارٹی مقرر کی ہو اس کو اپیل کر سکتا ہے۔ جس کا کیا گیا فیصلہ حتمی سمجھا جائے گا۔

The Lahore Development Authority Act 1975

یہ ایکٹ لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے قیام کو عمل میں لانے کے لیے بنایا گیا۔ لاہور کا ناظم اس کا چیئرمین، اس اتھارٹی کا ڈائریکٹر جنرل اور ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن آفیسر اس کے ممبر ہیں۔ اس ایکٹ کے سیکشن 8 کے مطابق ڈائریکٹر جنرل اس اتھارٹی کا چیف ایگزیکٹو ہے، جس کی مدت ملازمت تین سال ہے۔ اس ایکٹ کے سیکشن 39 کے مطابق ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن آفیسر یا اس کی طرف سے مقرر کردہ کسی بھی شخص یا اتھارٹی کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ کسی بھی فرد کو جو اتھارٹی کی زمین پر ناجائز قابض ہو اس جگہ سے بے دخل یا نکال سکتا ہے۔ لیکن اس طرح کے معاملے میں جس شخص کو بے دخل کیا جا رہا ہو اس کو اپنا موقف بیان کرنے کا موقع فراہم کیا جانا چاہیے۔ ایکٹ کے سیکشن 40 کے مطابق ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن آفیسر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسی کسی عمارت، سٹرکچر کو گرانے اس میں تبدیلی یا کسی بھی شخص کو ایسے کسی بھی کام سے روکنے کے احکامات جاری کر سکتا ہے جس سے اس ایکٹ کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ اگر متعلقہ شخص ان احکامات کو نہیں مانتا تو ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن آفیسر ایسی کسی عمارت، سٹرکچر کو گرا سکتا ہے اور تعمیراتی کام کو روک سکتا ہے۔ اس کے لیے متاثرہ شخص کو اپنا موقف بیان کرنے کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ ایکٹ کے سیکشن 45 کے مطابق اتھارٹی اس ایکٹ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے کسی جگہ کو قانونی قرار دے سکتی ہے۔

The Punjab Autonomous Bodies Immovable Property (Ejectment of Unauthorized Occupants) Ordinance, 1965

یہ آرڈیننس وضاحت کرتا ہے ایک خودمختار باڈی کی بطور کارپوریشن، ادارے یا اور کسی ایسے ادارے کی جو کہ وفاقی حکومت کی بجائے صوبائی حکومت کی جانب سے اکٹھے کیے جانے والے ریونیو کی مالی امداد سے چلیں۔ اس آرڈیننس کے سیکشن 3 کے مطابق کسی بھی خودمختار ادارے کی اتھارٹی سرکاری اراضی سے ناجائز قابضین کو بے دخل کر سکتی ہے۔ البتہ اس سے پہلے ان قابضین کا موقف سنا جائے گا اور بے دخلی سے پہلے ان کو نوٹس دیا جائے گا کہ سرکاری اراضی پر اگر ان کی کوئی کاشت کی ہوئی فصل یا اور کسی قسم کا کوئی سٹرکچر موجود ہے تو اس کو سات دنوں کے اندر اندر وہاں سے ہٹا لیں ورنہ سات دنوں کے بعد اتھارٹی اس اراضی پر موجود فصل یا سٹرکچر کو بغیر کوئی معاوضہ ادا کیے وہاں سے ہٹا دے گی اور اگر اس دوران اتھارٹی کو کوئی خرچہ کرنا پڑتا ہے تو یہ بھی ان قابضین سے وصول کیا جائے گا۔ سیکشن 6 کے مطابق یہ باڈی قابضین کو بے دخل کرنے کے لیے متعلقہ تھانے کی پولیس کی خدمات بھی حاصل کر سکتی ہے۔

لاہور میں کچی آبادیوں کا تاریخی پس منظر

پاکستان میں کچی آبادیوں کے حوالے سے بہت کم لکھا گیا ہے۔اور خاص طور پر پنجاب اور لاہور کے حوالے سے امتیاز علوی کی کتاب The Informal Sector in Urban Economy - Low Income Housing in Lahore اور محمد اے قدیر کی کتاب Lahore- Urban Development in The Third World کے علاوہ ہمیں اس موضوع پر کوئی اور قابل قدر شائع شدہ مواد دیکھنے کو نہیں ملتا۔اس میں سے بھی امتیاز علوی کی کتاب موضوع کی مناسبت سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

20 صدی کے شروع میں لاہور کی آبادی 2 لاکھ سے کچھ زیادہ تھی لیکن 21 ویں صدی کے پہلے عشرے کے اختتام پر اس وقت شہر کی آبادی تقریباً ایک کروڑ کے قریب پہنچ چکی ہے۔(21) لاہور شہر کی منصوبہ بندی اور انتظامی معاملات کو چلانے کے لئے 1862ء میں میونسپل کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔جبکہ اس کا پہلا میونسپل ایکٹ 1911ء میں پاس ہوا۔اس عرصے کے دوران چھوٹی رہائشی سکیمز بھی بنائی گئیں۔لیکن آبادی میں تیزی سے ہونے والے اضافے اور شہری حدود میں پھیلاؤ کی وجہ سے جب ایک ادارہ کے تحت شہر کو کنٹرول کرنا مشکل ہونے لگا تو 1936ء میں قانون سازی کر کے ''لاہور امپروومنٹ ٹرسٹ'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔(22)

1951ء کی مردم شماری کے مطابق 1947ء سے 1951ء کے درمیان 8 لاکھ مہاجرین نے انڈیا سے پاکستان ہجرت کی جبکہ پاکستان سے 6 لاکھ ہندوؤں اور سکھوں نے انڈیا کی طرف مہاجرت اختیار کی۔ 1951ء کی مردم شماری کے مطابق انڈیا سے ہجرت کر کے آنے والے لاہور کی شہری آبادی کا 46% بنتے تھے۔(23) قیام پاکستان کے وقت لاہور میں روزانہ کی بنیاد پر آنے والے مہاجرین کی وجہ سے شہر کے انتظامی وسائل پر بھی کافی بوجھ پڑا،جبکہ ہندوؤں اور سکھوں کی جانب سے خالی ہوئے گھر ان آنے والے مہاجرین کے لئے کم پڑ رہے تھے۔امتیاز علوی کے مطابق اس چیز نے شہر پر وہ ناقابل برداشت بوجھ ڈالا جس کا اس سے پہلے لاہور شہر کو کوئی تجربہ نہیں تھا۔'' (24)

1950ء میں لاہور امپرومنٹ ٹرسٹ نے لاہور کے جنوب اور جنوب مشرقی علاقے میں دو رہائشی سکیموں ''گلبرگ''اور ''سمن آباد'' پر کام شروع کیا۔یہ رہائشی سکیمیں امراء اور بااثر افراد کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر بنائی گئیں۔ان سکیموں میں زمین کی قیمت اور ترقیاتی اخراجات عام آدمی کی پہنچ سے باہر تھے۔گلبرگ کی سکیم خاص طور پر شہر کی اشرافیہ کے لیے بنائی گئی،جس میں آبادی کے ارتکاز کو بہت کم رکھا گیا اور سڑکوں،پارکوں اور کمیونٹی سے تعلق رکھنے والی دوسری سرگرمیوں کے لیے کافی زیادہ زمین مختص کی گئی۔اس کے برعکس سمن آباد کی سکیم کو درمیانے درجے کے سرکاری ملازمین،اپر مڈل کلاس اور پیشہ ور ماہرین کو ذہن میں رکھ کر تیار کیا گیا۔اس کے کچھ سال بعد شہر کے شمالی حصے میں ''شادباغ'' سکیم بنائی گئی۔اس رہائشی سکیم میں زیادہ تر تاجر طبقے،ابھرتے ہوئے کاروباری افراد اور چھوٹے سکیل کے مینوفیکچرز نے رہائش اختیار کی۔

اسی دوران ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ محکمہ (HPPD) قائم کیا گیا۔ ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ محکمہ کا مقصد پنجاب بھر میں لوگوں کو مربوط رہائشی سہولیات فراہم کرنا تھا۔محکمہ کو درمیانے اور کم آمدنی والے طبقوں کو رہائشی سہولیات بہم پہنچانے کے لیے ٹاؤن شپ سکیمیں بنانے کے لیے بھی کہا گیا۔1962ء میں ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ نے ''لاہور ٹاؤن شپ ہاؤسنگ سکیم'' کا اجرا کیا۔یہ سکیم اُس وقت مرکزی شہر سے 24 کلومیٹر دور تھی اور اس کا کل رقبہ 3 ہزار ایکٹر تھا۔اس رہائشی سکیم میں تقریباً 2 لاکھ 30 ہزار افراد کو بسانے کا منصوبہ تھا۔لیکن یہ سکیم اس وقت اتنی دور اور مہنگی تھی،جس کی وجہ سے وہ طبقے جن کے لیے یہ سکیم بنائی گئی تھی استفادہ نہ کر سکے اور آخر میں متوسط اور امیر خاندانوں نے ہی اس سے فائدہ اٹھایا۔(25) ایم اے قدیر کے مطابق ان تمام تر کاوشوں کے باوجود کچی آبادیوں بڑھتی جارہی تھیں کیونکہ حکومت عام آدمی کی رہائش کا مسئلہ حل نہیں

کر پا رہی تھی ۔(26)

1961ء میں لاہور شہر میں 80,399 گھروں کی قلت تھی۔ جن میں سے 30 ہزار خستہ حال اور مخدوش عمارتوں جبکہ مزید 30 ہزار کچی آبادیوں میں رہ رہے تھے۔(27)

1963ء میں لاہور کے حوالے سے تیار ہونے والے پہلے ماسٹر پلان کے مطابق ''لاہور میں رہائشی گھروں کی کمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 30 ہزار خاندان اس وقت جھگیوں (کچی آبادیوں) میں رہ رہے ہیں۔'' یہ پہلا موقع تھا جب شہر میں کچی آبادیوں کی موجودگی کو سرکاری سطح پر تسلیم کیا گیا۔ وہ علاقے جن میں ان جھگیوں کی نشاندہی کی گئی تھی، ان علاقوں میں جھگیوں کی تعداد 10 سے لیکر 1063 تک تھی۔ ماسٹر پلان میں دیئے گئے اوسطً فیملی سائز 6.4 کو اگر سامنے رکھ کر اندازہ لگایا جائے تو اس وقت 1,38,000 ہزار لوگ جو کہ کل شہری آبادی کا 10 فیصد سے زائد بنتے ہیں، کچی آبادیوں میں رہ رہے تھے۔(28)

پاکستان میں کچی آبادی کی اصطلاح سب سے پہلے 69-1968 میں، لاہور میں ایوب خان کے مارشل لاء کے خلاف چلنے والی تحریک کے دوران سننے میں آئی۔ آہستہ آہستہ یہ اصطلاح مقبول ہوتی گئی اور اس نے اس سے پہلے استعمال ہونے والی اصطلاح ''جھگیاں'' اور کراچی میں استعمال ہونے والی اصطلاح ''بستی'' کو ختم کر دیا۔(29)

1967ء سے 1973ء تک شہر میں رہائشی گھروں کے سٹاک میں 77% اضافہ ہوا اور ہر سال اوسطً 12,500 گھر بنے۔ لیکن اس اضافے سے شہر کی صرف 50% رہائشی طلب ہی پوری ہو سکی۔(30)

1970ء کی دہائی میں ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں قائم ہونے والی پیپلز پارٹی کی حکومت کو بلاشبہ یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے عام لوگوں کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے کم آمدنی والے طبقوں کے رہائشی مسائل کو حل کرنے کے حوالے سے مختلف اقدامات اٹھائے۔ پیپلز پارٹی کی ہاؤسنگ پالیسی کے بنیادی نقات کچھ اس طرح تھے:

ا۔) ہاؤسنگ پالیسی کا رخ سائٹ اینڈ سروسز سکیمز میں پلاٹس کی دستیابی کی طرف کیا گیا۔ مڈل اور کم آمدنی والے گروپس کے لئے زیادہ تعداد میں چھوٹے پلاٹس مہیا کئے گئے۔

۲۔) کچی آبادیوں او (Slums) کو ختم کرنے کی بجائے ان کی بہتری کے لئے پروگرام تشکیل دیئے گئے۔

۳۔) پنجاب اسمبلی کی جانب سے Punjab Land Acquisition Act 1973 منظور کیا گیا۔ اس نئے قانون کے تحت صوبہ پنجاب میں سرکاری اداروں کو رہائشی استعمال کے لئے کم قیمت پر نجی زمین حاصل کرنے کا اختیار مل گیا۔

۴۔) لاہور میں عوامی رہائشی تنظیم کا قیام 1973 میں عمل میں لایا گیا۔ عوامی رہائشی تنظیم پہلی ایسی تنظیم تھی جس کو حکومت نے مالی امداد مہیا کی تاکہ وہ کچی آبادیوں کے لوگوں کو اپنی طرز زندگی بہتر بنانے کے حوالے سے متحرک کرے۔

نجی زمینوں پر قائم کچی آبادیوں کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ اس حوالے سے 1973ء میں ''Land Acquisition Act 1973'' بھی متعارف کروایا گیا جس کے تحت نجی زمین کے مالکان سے کچی آبادیوں کے حوالے سے زمین حاصل کی جا سکتی تھی۔ اس دور میں نجی زمین پر 26 ایسی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سرکاری سطح پر ان آبادیوں کو باقاعدہ کچی آبادی کے طور پر تسلیم کیا گیا۔(31)

علوی کے مطابق، عام لوگوں کو مناسب رہائش فراہم کرنے اور کچی آبادیوں کی حالت بہتر کرنے کے حوالے سے بھٹو دور حکومت میں پیپلز پارٹی کی

عوامی رہائشی تنظیم کا پس منظر یہ ہے کہ جب 1972ء میں ہماری حکومت بنی اس وقت لاہور میں 120 کچی آبادیاں تھیں۔ ہماری حکومت آنے کے بعد معیشت اچھی ہونے لگی تو زمین کی قیمتیں بھی بڑھنے لگیں۔ جب زمین کی قیمتیں بڑھیں تو زمین کے مالکان نے ان لوگوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ جگہیں خالی کرو تا کہ ہم زمین بیچیں۔
تو ہم نے سوچا کہ کیا کیا جائے؟ تو ہم نے کچی آبادیوں کی کمیٹیاں بنادیں۔ 120 کے قریب کچی آبادیوں میں ہر جگہ کمیٹی بن گئی۔ کم آمدنی والے لوگوں کی رہائش کا جو مسئلہ ہے اس میں سب سے بڑی رکاوٹ زمین کا حصول ہے۔ میں نے گورنر پنجاب کے لیے ایک نیا قانون The Punjab Acquisition of Land (Housing) Act 1973 بنایا کہ کس طرح جلد اور سستی زمین لی جاسکے۔ میں اس وقت لاہور پیپلز پارٹی کا چیئر مین تھا اور مجھے اس حوالے سے پارٹی کی حمایت حاصل تھی۔ بعد میں ضیاالحق نے اس ایکٹ میں کچھ تبدیلیاں کردیں۔ لیکن پورے لاہور میں جو کچی آبادیوں کا پھیلاؤ ہے، وہ اس ایکٹ کی وجہ سے ہی ممکن ہوا تھا۔ بنیادی بات یہ تھی کہ آبادی کو زمین کی ملکیت لے کر دی جاسکتی تھی اور اس کے لیے ہم نے ''عوامی رہائشی تنظیم'' رجسٹرڈ کروائی۔

ڈاکٹر مبشر حسن، سابقہ وزیر مالیات

حکومت کس حد تک کامیاب رہی اس پر مختلف آراء ہوسکتی ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور میں پیپلز پارٹی کی حکومت نے ملک بھر میں عام لوگوں کے رہائشی مسئلے کے حوالے سے عموماً اور کچی آبادیوں میں رہنے والوں کے اندر خصوصاً رہائش کے مسئلے کے حل کے حوالے سے ایک امید کی فضا پیدا کی تھی۔ یہ پیپلز پارٹی کی حکومت ہی تھی جس نے پہلی دفعہ کچی آبادیوں کے مسئلے کو شہری سیاست کی صف اول میں شامل کیا۔(32)
اس سارے عرصے میں لاہور امپرومنٹ ٹرسٹ ہی لاہور میں پبلک ہاؤسنگ کے حوالے سے مرکزی کردار ادا کرتی رہی۔ اس نے 1975ء تک 8 ہزار سے زیادہ رہائشی پلاٹس بنائے۔ ان 8 ہزار پلاٹس میں سے 58% پلاٹس 1 کنال اور اس سے زیادہ رقبے کے تھے، جس سے شہری صرف 3% آبادی ہی فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ جبکہ 31% پلاٹس درمیانے سائز کے تھے جو کہ شہر کی مڈل کلاس کے تصرف یا ملکیت میں تھے جو کہ شہر کی کل آبادی کا 14% تھے۔ صرف 11% پلاٹس باقی 83% شہری آبادی کے لئے مختص تھے۔ 1975ء میں لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے لاہور امپرومنٹ ٹرسٹ کی جگہ ذمہ داری سنبھال لی۔ اس نئے ادارے نے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگلے پانچ سالوں میں 28 ہزار 6 سو 17 رہائشی پلاٹ بنائے۔ لیکن ان میں سے بھی زیادہ تر پلاٹس اشرافیہ اور متوسط طبقے کو ہی مہیا کئے گئے۔ جبکہ صرف 24% رہائشی پلاٹس 83% آبادی کے لیے مختص کئے گئے۔(33)
ایم اے قدیر کے مطابق 1970ء تک آتے آتے کم آمدنی والے طبقوں کے لیے اپنے رہائشی مسائل کے حل کے کے لیے کچی آبادیوں کے علاوہ اور کوئی متبادل موجود نہیں تھا۔ ایک عام آبادی میں کرائے کا گھر 200 سے 300 روپے تک ملتا تھا جو کہ ایک کلرک کی ماہانہ آمدن کا 60 سے 70 فیصد بنتا تھا۔ چوکیدار، کلرک، پرائمری سکول کے اساتذہ اور پولیس کانسٹیبل جیسے افراد نے مناسب رہائش کے لئے کچی آبادیوں کا رخ کیا۔ 1977ء میں کچی آبادیوں کے حوالے سے کئے گئے ایک سروے کے مطابق کچی آبادیوں میں رہائش پذیر زیادہ تر افراد مزدور، دستکار اور ٹھیلے والے تھے (68%) لیکن اس کے باوجود کچی آبادیوں کے 27% رہائشی سفید پوش طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔(34) جبکہ 1980ء تک آتے آتے لاہور شہر میں گھروں کی طلب 3 لاکھ رہائشی یونٹس تک پہنچ گئی تھی۔(35)
5 جولائی 1977ء کو مارشل لاء لگنے کے بعد بھٹو دور میں بننے والے جن اداروں پر پابندی لگائی گئی ان میں ''عوامی رہائشی تنظیم'' بھی شامل تھی۔ لیکن

70ء کی دہائی میں کچی آبادیوں کا مسئلہ اتنی زیادہ سیاسی اہمیت اختیار کر چکا تھا کہ اس کو نظر انداز کرنا مارشل لاء حکومت کے لئے ممکن نہیں تھا۔ جنرل ضیاءالحق نے قوم سے اپنے پہلے باقاعدہ سات منٹ کے خطاب میں سے ڈھائی منٹ کچی آبادیوں کے حوالے سے گفتگو کی اور کہا کہ کچی آبادیوں کی بہتری کے حوالے سے پروگرام حکومت کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔(37)

یکم جنوری 1978ء کو لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ضیاالحق ء نے اعلان کیا کہ یکم جنوری 1978ء تک سرکاری زمین پر آباد کچی آبادیاں جن میں گھروں کی کم ازکم تعداد 100 ہوگی ان کو رہائشی حقوق دیئے جائیں گے اور حکومت ان کچی آبادیوں میں پانی بجلی اور دیگر سہولیات بھی مہیا کرے گی۔(38)

ضیاالحق کے اس اعلان کی روشنی میں ڈویلپمنٹ اتھارٹیز اور لوکل کونسلز کے ذریعے ایک سروے کروایا گیا، جس کے نتیجے میں درج ذیل کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی۔

Katchi Abadis Survey in Punjab by Development Authorities & Local Councils in the light of 1st January 1978 cut of Date

Sr. #	Division	Declared	Less than 100 Filed	On Private Land	Pending	Total
1	Lahore	62	25	56	50	**193**
2	Gujranwala	8	24	1	9	**42**
3	Sargodha	9	9	-	-	**18**
4	Rawalpindi	-	4	1	3	**8**
5	Bahawalpur	28	35	1	5	**69**
6	Mulatn	71	39	59	11	**180**
7	Faisalabad	42	46	-	10	**98**
8	D G Khan	2	9	11	-	**22**
	Total	**222**	**191**	**129**	**88**	**630**

پنجاب کے آٹھ شہروں میں کیے گئے اس سروے کی مطابق پنجاب میں کل 630 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی، جن میں سے 222 کچی آبادیوں کو سرکاری سطح پر کچی آبادی تسلیم کیا گیا۔ ان 630 کچی آبادیوں میں سے 129 کچی آبادیاں پرائیویٹ زمین پر آباد تھیں۔ 191 کچی آبادیوں میں گھروں کی تعداد 100 سے کم تھی۔ جبکہ 88 کچی آبادیاں ایسی تھیں جن کی قانونی حیثیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کیا جا سکا۔
اسی طرح لاہور میں 193 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی جن میں سے 62 کچی آبادیوں کو سرکاری طور پر کچی آبادی تسلیم کیا گیا۔ ان 193 کچی آبادیوں میں سے 56 کچی آبادیاں پرائیویٹ زمین پر آباد تھیں۔ 25 کچی آبادیوں میں گھروں کی تعداد 100 سے کم تھی۔ جبکہ 50 کچی آبادیاں ایسی تھیں جن کی قانونی حیثیت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کیا جا سکا۔(39)

لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (LDA) کے اندر کچی آبادیوں کے حوالے سے ایک ڈائریکٹوریٹ قائم کیا گیا۔ 1980ء میں 32 کچی آبادیوں کو پانی، بجلی کی سہولیات مہیا کی گئیں اس کے علاوہ ان آبادیوں میں گلیاں بھی پکی کی گئیں۔ یہ سارا کام تین سال کے اندر مکمل کیا گیا اور اس پر 132 ملین روپے خرچ کئے گئے۔(40)

قدیر کے مطابق 1980ء میں لاہور کی تقریباً 23% آبادی کچی آبادیوں میں رہتی تھی۔ **1964ء اور 1979ء کے درمیان لاہور کی کچی آبادیوں میں سالانہ 17% کے حساب سے اضافہ ہوا۔**(41)

لاہور میں ہاؤسنگ کے حوالے سے زیادہ تر کام لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے قیام کے بعد عمل میں آیا۔ 1978ء کے بعد مختلف رہائشی سکیمیں جن میں اعوان ٹاؤن، کیمپس کالونی، کینال ویو کواپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی، حمید پارک ہاؤسنگ سکیم،، رحمان آباد وغیرہ کی ایل ڈی اے کی جانب سے منظوری دی گئی۔(42)

1980ء میں لاہور کے لئے تیار ہونے والے سٹرکچر پلان نے بھی ضیاء حکومت کے طے کردہ معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے شہر میں 97ءکچی آبادیوں کی نشاندہی کی۔ جن کی آبادی تین لاکھ تھی۔لیکن حقیقت میں کچی آبادیوں میں رہنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی، جو کہ ضیاء حکومت کی مقرر کردہ تعریف پر پورے نہیں اترتے تھے۔ لہذا ایسی آبادیوں کو غیر قانونی کچی آبادیاں کہا گیا اوران کے متعلق کسی قسم کے اعداد وشمار موجود نہیں ہیں۔ 1981ء میں ایل ڈی اے کے اندازوں کے مطابق لاہور شہر میں 7,38,173 افراد کچی آبادیوں میں رہ رہے تھے۔ 1963ء سے لیکر 1981ء تک کچی آبادیوں کے رہائشیوں کی تعداد میں یہ پانچ گنا سے بھی زیادہ اضافہ ہوا تھا جبکہ شہر کی آبادی میں اس عرصے میں تین گنا سے بھی کم اضافہ ہوا تھا۔(43)

ضیا مارشل لاء کے دوران کچی آبادیوں کی بہتری اوران کو مالکانہ حقوق فراہم کرنے کی طرف حکومت کی توجہ رہی، لیکن اس دوران حکومتی پالیسیوں میں کچھ اہم تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ مثلاً حکومت نے نجی زمین پر واقع کچی آبادیوں کے حوالے سے کسی پالیسی کا اعلان نہ کیا۔ البتہ 1981ء میں پنجاب حکومت نے کچی آبادیوں کی پالیسی پر نظر ثانی کرتے ہوئے یہ تجویز دی کہ ’’ کچی آبادی کے مکینوں کو نجی زمینوں کے مالکان کے ساتھ زمین کی منتقلی کے حوالے سے مذاکرات کرنے چاہئیں اوراس حوالے سے ضلعی انتظامیہ سہولت کار کا کردار ادا کرسکتی ہے‘‘۔ اسی طرح ہاؤسنگ پالیسوں پر عمل درامد کروانے کی ذمہ داری بیوروکریسی کو سونپ دی گئی جبکہ اس سارے عمل میں مقامی افراد اور کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ مقامی ترقیاتی ادارے اوراس طرح کے دوسرے اداروں میں کام کرنے والے سرکاری افراد کو کچی آبادیوں کی بہتری کے پروگرام کا ذمہ دار بنا دیا گیا۔

کچی آبادیوں کی بہتری اوران کو مالکانہ حقوق دینے کا سارا پروگرام cost recovery اور Affordability پر منحصر تھا۔ رہائشیوں کو اپنی آبادیوں میں ہونے والے بہتری کے کاموں کا پورا خرچہ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ وفاقی حکومت نے کچی آبادیوں کی بہتری کے پروگرام کے لئے فنڈز مہیا کرنے بند کر دیئے اور مقامی اداروں سے کہا گیا کہ وہ یہ پروگرام اپنے وسائل پر چلائیں۔

پنجاب میں Punjab Land Acquisition Act 1973 کو منسوخ کر دیا گیا اور Land Acquisition Act 1894 بحال کر دیا گیا۔ جس کے تحت مقامی اداروں کو رہائشی مقاصد یا کسی اور استعمال کے لئے درکار زمین کے لئے مارکیٹ ریٹ پر قیمت ادا کرنا پڑتی۔(44)

1981ء میں وفاقی وزارت ہاؤسنگ اینڈ ورکس کو ملک میں ہاؤسنگ کی صورتحال پر کم اور طویل مدتی بنیادوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے ایک قومی ہاؤسنگ پالیسی تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جس کے لیے ایک قومی ہاؤسنگ کمیٹی اور ماہرین پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دیا گیا۔ 18 جنوری 1982ء کو قومی ہاؤسنگ کمیٹی نے ماہرین کی جانب سے تیار کردہ ڈرافت رپورٹ حکومت کو باقاعدہ منظوری کے لئے جمع کروادی۔ مگر یہ رپورٹ ضیا مارشل لاء کے دور میں سرکاری سطح پر کبھی منظور نہ کی گئی۔(45)

1985ء میں ملک میں غیر جماعتی بنیادوں پر ہونے والے الیکشن کے نتیجے میں فوج اور سول افسر شاہی کے زیر سایہ مارچ 1985ء میں محمد خان جونیجو کی حکومت قائم ہوئی۔ اس دور میں کچی آبادیوں اور کم لاگتی ہاؤسنگ کے حوالے سے پالیسیوں میں مزید تبدیلیاں آئیں۔

31دسمبر1985ءکو جونیجو حکومت نے اگلے پانچ سال کے لئے ایک پانچ نکاتی سماجی اور معاشی پروگرام کا اعلان کیا۔ کچی آبادیوں کی بہتری اور ان کے رہائشیوں کو مالکانہ حقوق دینا اس پانچ نکاتی پروگرام کا حصہ تھا۔ 80ء کی دہائی میں کچی آبادیوں کی سیاسی اہمیت کس قدر اہم تھی اور کچی آبادیوں کو اپنے سیاسی حریفوں کے خلاف کس طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ اس بات کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب بےنظیر بھٹو 10اپریل1986ء کو اپنی لاہور آمد کا اعلان کرتی ہیں۔ اس اعلان کے سامنے آتے ہی حکومتی ایوانوں حرکت میں آتی ہے اور اس وقت کے وزیر قانون اقبال احمد خان نے مقامی کچی آبادیوں کے نمائندوں سے رابطے کر کے ان کو کہا کہ بےنظیر بھٹو کے استقبال کے لئے کچی آبادیوں سے کوئی بندہ نہ جائے۔ اسکے بدلے انہوں نے کچی آبادیوں کے نمائندوں سے مذاکرات کر کے ان کے مطالبات ماننے کا وعدہ کیا۔

7اپریل1986ء کو لاہور میں منعقد ہونے والے کچی آبادی کنونشن میں وزیر اعظم جونیجو نے کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو مالکانہ حقوق دینے کا اعلان کیا۔

وزیر اعظم جونیجو کی جانب سے قومی اسمبلی اور سینٹ کے تمام اراکین کے لئے اپنے اپنے حلقوں میں ترقیاتی کاموں کے لئے خصوصی ترقیاتی فنڈز جاری کئے گئے۔ اس حوالے سے قومی اسمبلی کے اراکین کو 50 لاکھ روپے سالانہ اور صوبائی اسمبلی کے اراکین کو 30 لاکھ روپے سالانہ جاری کئے گئے۔ ان دیئے جانے والے فنڈز میں سے نصف بےگھر لوگوں کو رہائش فراہم کرنے کے حوالے سے مشروط تھے۔ یہ تمام فنڈز اراکین اسمبلی کے صوابدیدی اختیارات پر تھے۔ یہ ضیاء مارشل لاء کی حکومتی پالیسی میں ایک بنیادی تبدیلی تھی، جس میں کچی آبادیوں کی بہتری کے پروگرام پر بیوروکریسی کا مضبوط کنٹرول تھا۔(46)

یہ پاکستان کی پارلیمانی تاریخ پہلی مرتبہ تھا جب قومی اور صوبائی اراکین اسمبلی کو براہ راست ترقیاتی فنڈز دیئے گئے۔ لیکن کیا اس طرح کرنے سے اُس شہر یا علاقے کی مجموعی ترقی پر کچھ مثبت اثرات مرتب ہوئے؟

لیکن کچی آبادیوں کو بطور سیاسی ہتھیار استعمال کرنے کا جو سلسلہ ضیاء مارشل لاء کے دور میں شروع ہوا، وہ بعد میں کہیں تھا نہیں بعد میں آنے والی ہر حکومت نے کچی آبادیوں کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی

10اپریل1986ء کو بےنظیر بھٹو پاکستان آرہی تھیں۔ اس وقت محمد خان جونیجو وزیر اعظم تھے اور اقبال احمد خان وزیر قانون اور لاہور سے ہمارے علاقے سے قومی اسمبلی کے ممبر بھی تھے۔ انہوں نے ہم کو بلایا اور کہا کہ آپ کچی آبادیوں کے لوگوں کو روکیں کہ وہ بےنظیر کے استقبال کے لیے نہ جائیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ جب آپ لوگوں نے کچی آبادی کے لوگوں کو کچھ دینا نہیں تو ہم کس بنیاد پر لوگوں کو بےنظیر کے استقبال سے روکیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ اپنے مطالبات بتائیں۔ ہم نے کہا کہ ہمارے مطالبات یہ ہیں کہ کچی آبادیوں میں 100 گھروں کی شرط کی بجائے 20 گھر کئے جائیں اور جس تاریخ کو آپ یہ اعلان کریں اس تاریخ کو Cut of Date مقرر کردیں۔ یہ ہمارے دو بنیادی مطالبات تھے۔ اس کے علاوہ ڈویلپمنٹ چارجز اور زمین کی قیمت کے حوالے سے بھی ہمارے کچھ مطالبات تھے۔
وزیر اعظم جونیجو اور انکی کابینہ کی ملاقات ہوئی اور ہمارے مطالبات مان لیے گئے۔ انہوں نے 7اپریل1986ء کو موچی دروازے پر ایک جلسہ کیا۔ انہوں نے ہمیں 200 بسیں دیں کہ اس میں بندے لے کر جلسہ میں آئیں اور جلسہ کامیاب کروائیں۔ ہم کچی آبادیوں کے لوگوں سے 200 بسیں بھر کر جلسے میں چلے گئے۔ وہاں پر انہوں 40 گھر اور 23مارچ 1985 کی تاریخ مقرر کرنے کا اعلان کیا جس کو ہم لوگوں نے تسلیم کرلیا۔ اس کے علاوہ اگر کچی آبادی کا کوئی رہائشی ترقیاتی اخراجات یکمشت ادا کرے تو اس کو 50% رعائیت اور زمین کی قیمت 172 روپے مرلہ طے کی گئی۔

ظفر اقبال جتالہ، صدر، فیڈریشن آف کچی آبادیز پنجاب

۔جس کی وجہ سے یہ مسئلہ کسی مثبت حل کی جانب پیش رفت کرنے کی بجائے سیاسی اکھاڑے میں ووٹ بنک بڑھانے اور دوسرے سیاسی حریفوں کو ہرانے کا ایک داؤ بن کر رہ گیا۔

1986ء میں جونیجو حکومت نے ضیاء مارشل لاء میں بننے والی ہاؤسنگ پالیسی پر نظر ثانی کا فیصلہ کیا۔ وزیر اعظم کی جانب سے ہاؤسنگ پالیسی پر چند اعتراضات لگا کر اسے دوبارہ وزارت ہاؤسنگ اینڈ ورکس کو بھجوا دیا گیا۔ وزارت ہاؤسنگ اینڈ ورکس کو ہدایات دی گئیں کہ وزیر اعظم جونیجو کے پانچ نکاتی پروگرام کو مد نظر رکھتے ہوئے ہاؤسنگ پالیسی میں تبدیلیاں کی جائیں۔ نظر ثانی اور اضافہ شدہ رپورٹ با قاعدہ منظوری کے لئے اسی سال حکومت کو بھجوا دی گئی لیکن یہ پالیسی رپورٹ جونیجو حکومت کے دوران با قاعدہ منظوری کے انتظار میں ہی پڑی رہی۔(47)

ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی اینڈ اربن امپرؤمنٹ ، پنجاب

وزیر اعظم جونیجو کے پانچ نکاتی پروگرام کی روشنی میں پنجاب میں یکم جنوری 1987ء کو Directorate General Katchi Abadis کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس ادارے کے فرائض میں 1985ء سے قبل سرکاری زمین پر موجود کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق فراہم کرنا، جن کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے، ان کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام کروانا اور ان کچی آبادیوں میں رہنے والوں کی معیار زندگی بہتر بنانا شامل ہے۔ جس کے لیے یہ ادارہ غیر ملکی ترقیاتی اداروں کے ساتھ مل کر مختلف پراجیکٹ بھی کر سکتا ہے۔

اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی مقامی تحصیل میونسپل ایڈمنسٹریشن، ڈویلپمنٹ اتھارٹیز اور کنٹونمنٹ بورڈز کی مدد لے سکتا ہے۔(48)

ORGANOGRAM

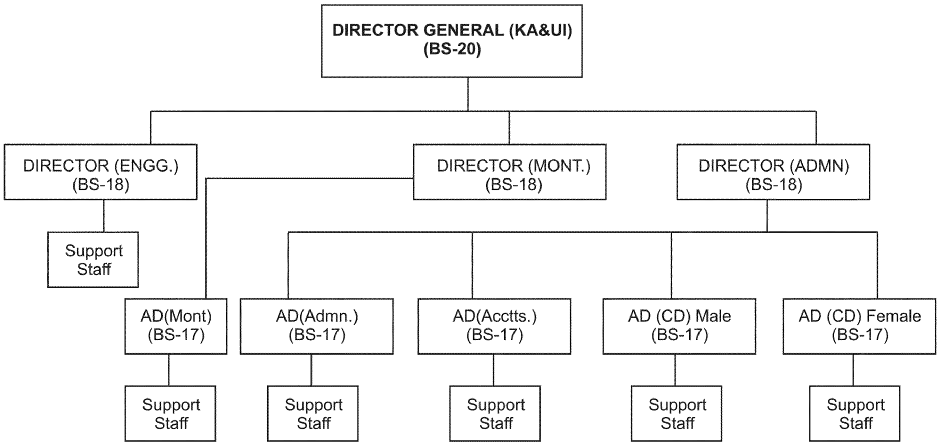

پنجاب کچی آبادی ایکٹ 1992ء کے سیکشن 4 کے تحت ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کے فرائض منصبی میں شامل اہم نکات یہ ہیں۔

☆ کچی آبادیوں کی نشاندہی، تفصیلی سروے اور ان کو مالکانہ حقوق فراہم کرنا۔

☆ سرکاری سطح پر تسلیم شدہ کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام کروانا۔

☆ کچی آبادیوں کے رہائشیوں سے زمین کی قیمت اور ترقیاتی اخراجات کی بازیابی کروانا۔

☆ کچی آبادیوں کے مستحق اور اہل افراد کو مالکانہ حقوق فراہم کرنا۔

Fixation of market price of land under Katchi Abadis

☆ کچی آبادیوں میں کمیونٹی ڈویلپمنٹ کے حوالے سے پروگرام ترتیب دینا۔

☆ کچی آبادیوں میں ترقیاتی کاموں کی تشکیل کے حوالے سے متعلقہ اداروں مثلاً ڈویلپمنٹ اتھارٹیز اور شہری لوکل کونسلوں کو راہنما اصول اور ضروری ہدایات جاری کرنا۔

کچی آبادیوں کی نشاندہی اور درجہ بندی کے حوالے سے ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی، پنجاب کے کام کرنے کا طریقہ کچھ اس طرح ہے:

☆ فہرست تیار کرنا

☆ سروے

☆ نوٹیفیکیشن

☆ مالکانہ حقوق عطا کرنا

☆ ترقیاتی کام(49)

وزیراعظم جونیجو کے پانچ نکاتی پروگرام کی روشنی میں 7 اپریل 1986ء کو لاہور میں کچی آبادی کنونشن کے موقع پر جو اعلانات کئے گئے وہ بعد میں کچی آبادی پالیسی 1985ء کا حصہ بنے۔اس کے بنیادی نکات درج ذیل ہیں۔

کچی آبادی پالیسی 1985۔ بنیادی نکات:

☆ تمام کچی آبادیوں میں رہنے والے جو کسی سرکاری زمین پر 23 مارچ 1985ء تک ان کچی آبادیوں میں رہ رہے ہیں اور جن میں گھروں کی تعداد 100 کی بجائے 40 ہے، ان کو فوری طور پر مالکانہ حقوق دیے جائے گئے۔

☆ کچی آبادیوں میں موجود 5 مرلہ پلاٹ جو رہائشی استعمال کے ساتھ ساتھ کمرشل سرگرمیوں کے لیے بھی استعمال کئے جا رہے ہیں ان کو رہائشی ہی سمجھا جائے گا۔

☆ 5 مرلہ تک کے پلاٹس پر زمین کی 172 روپے فی مرلہ رعایتی قیمت وصول کی جائے گی۔

☆ کچی آبادیوں کے جن رہائشیوں کے قبضہ میں 5 مرلہ سے زیادہ زمین ہوگی وہاں پر زمین کی قیمت کا تعین ضلعی عمل درامدی کمیٹی طے کرے گی۔

☆ شہری علاقوں میں رہنے والے کچی آبادیوں کے جو رہائشی اپنے حصے کے ترقیاتی اخراجات تین ماہ کے اندر ادا کریں گے ان کو 50% رعایت دی جائے گی۔

☆ کچی آبادیوں میں رہنے والی بیواؤں، یتیموں اور معذور افراد سے جن کا کوئی سلسلہ روزگار نہیں ان سے کسی قسم کے اخراجات نہیں لیے جائیں گے۔(50)

ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کے قیام کے فوراً بعد 1985ء کی کچی آبادی پالیسی کی روشنی میں کچی آبادیوں کے نئے سروے 1987-88 میں متعلقہ ڈویلپمنٹ اتھارٹیوں اور مقامی لوکل کونسلوں کی مدد سے کروائے گئے۔(51)

23 مارچ 1985ء کی پالیسی کے مطابق ملک میں کچی آبادیوں کی کل تعداد 2460 تھی، جن میں سے 2184 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دیے جانے تھے۔ جبکہ پنجاب میں 1100 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی، جن میں سے 949 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ان آبادیوں کا کل رقبہ 10,312 ایکٹر جبکہ ان میں گھروں کی تعداد 178,932 تھی۔ پنجاب میں 161 کچی آبادیاں وفاقی حکومت کی زمین پر

Katchi Abadis According to March 23, 1985 Policy

Province/ Area	Katchi Abadis Identified					Katchi Abadis to be regularised				
	No	Land Area (Acrers)			Units	No	Land Area (Acrers)			Units
		State	Private	Total			State	Private	Total	
Punjab	1100	-	-		-	949	9,802	510	10,312	178,932
Sindh	1293	24785	625	25410	571,000	1,157	23,915	-	23,915	546,000
NWFP	-	-	-		-	-	-	-	-	-
Balochistan	67	11,122	-	11,122	38,562	67	11,122	-	11,122	38,563
Sub Total (Provincial)	**2460**	**36,207**	**625**	**36,832**	**609,562**	**2173**	**44,839**	**510**	**45,349**	**763,495**
Islamabad	-		-		-	11	268	-	268	4,936
Total (National)	**2460**	**36,207**	**625**	**36,832**	**609,562**	**2184**	**45,107**	**510**	**45,617**	**768,431**

آباد تھیں جبکہ 139 کچی آبادیاں صوبائی حکومت کی زمین پر موجود تھیں۔ ان کچی آبادیوں میں سے 593 کچی آبادیوں کو نوٹیفیکیشن جاری کیا گیا۔ 412 کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام مکمل کئے گئے۔ جبکہ 330 کچی آبادیوں میں ''پنجاب کچی آبادی ایکٹ 1992ء'' کی ہدایات کی روشنی میں ترقیاتی کام جاری تھے۔ 23 مارچ 1985ء کی پالیسی کے مطابق لاہور میں کچی آبادیوں کی کل تعداد 330 تھی جو کہ پنجاب میں موجود کچی آبادیوں کا 34.8% بنتا تھا۔(52)

Katchi Abadis According to 1985 Policy in Punjab

Division	No. Of Katchi Abadies
Lahore	330
Faisailabad	166
Multan	160
Bahawalpur	124
Gujranwala	88
Sargodha	46
DG Khan	23
Rawalpindi	12
Total	**949**

1992ء میں پنجاب اسمبلی نے پنجاب کچی آبادیز ایکٹ 1992ء پاس کر دیا۔

1992-93ء میں ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی، پنجاب نے 412 کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام مکمل کروائے۔ 313 کچی آبادیوں میں جزوی طور پر ترقیاتی کام مکمل کروائے گئے، ان آبادیوں میں ترقیاتی کاموں کی مد میں 808.59 ملین روپے خرچ کئے گئے۔ ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی جن ترقیاتی کاموں میں پیسے خرچ کئے تھے، ان میں مرکزی سڑکیں، بجلی، سیوریج، فراہمی آب، سوئی گیس اور پارکس شامل تھے۔(53)

انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے شعبہ ٹاؤن پلاننگ کے چیئرمین احسان اللہ باجوہ اور دیگر کی جانب سے کی گئی تحقیق کے مطابق 1978 سے 1993ء تک بننے والی پندرہ اہم رہائشی سکیموں، جن میں پلاٹس کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے، زیادہ تر میں پلاٹس خالی پڑے ہیں۔ 1982ء اور 1992ء میں بننے والی رہائشی سکیموں PIA Housing Scheme Ph-I، Audit & Account CHS اور Greater Lahore (Chinar Bagh) میں ایک بھی گھر تعمیر نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح 1983ء اور 1991ء میں بننے والی رہائشی سکیموں Punjab Govt. Employees Ph-I اور Pak Expatriates CHS (Izmir Town) میں تعمیر شدہ گھروں کی تعداد 3% سے زیادہ نہیں ہے۔ جبکہ ان

Housing Schemes having Plots more than 1000 in Lahore

Sr. No.	Name of Scheme	Year of Approval	Total Area(Kanal s)	Location	Total Plots	Constucted Plots	% of Constructed Plots
1	Canal View CHS	1978	1865	Niaz Baig	1107	775	70.01
2	Johar Town	1981	256	Satto Katla	1600	1200	75.00
3	WAPDA Employees CHS PH-I	1982	91090	Satto Katla	7105	3000	42.22
4	PIA Housing Scheme Ph-It	1982	2171.70	Niaz Baig	1867	1025	54.9
5	PIA Housing Scheme Ph-I	1982	271.7	Satto Katla	1867	0	0.0
6	Punjab Govt. Employees Ph-I	1983	1278	Satto Katla	1087	30	2.8
7	UET Housing Scheme	1985	1392.31	Satto Katla	2300	920	40.0
8	Tajpura Housing Scheme	1985	368	G. T. Road	2547	2000	78.5
9	NFC Housing Scheme	1988	2452.85	Satto Katla	1495	220	14.7
10	Pak Expatriates CHS (Izmir Town)	1991	3528.1	Chung Panggrain	1248	37	3.0
11	Audit & Account CHS	1992	1253.3	Sadhoke	1330	0	0.0
12	E.M.E CHS	1992	4460.9	Kanjra	2268	1020	45.0
13	Greater Lahore (Chinar Bagh)	1992	3296.8	Janjatay	1542	0	0.0
14	Punjab Govt. Employees Ph-II	1992	1860	Satto Katla	1538	1305	84.9
15	Nasheman-e-Iqbal	1993	1031.7	Sadhoke/Bhagrian	1134	280	24.7

تمام پندرہ ہاؤسنگ سکیموں میں تعمیر شدہ گھروں کی تعداد 39.3% ہے یعنی 60% سے زائد پلاٹس خالی پڑے ہیں۔احسان اللہ باجوہ کے مطابق لاہور شہر میں زیادہ تر پلاٹس سرمایہ کاروں کے ہاتھوں میں ہیں جو زمین کا ریٹ کم یا زیادہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔یہ لوگ لینڈ مارکیٹ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور جب بھی انہیں موقع ملتا ہے یہ اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ان سٹہ بازوں کی وجہ سے زمین کی قیمتیں جس سطح پر پہنچ گئی ہیں وہ عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہیں۔(54) آج بالعموم تمام بڑے شہروں میں ہاوسنگ سیکٹر میں عام آدمی کے لیے اصل مسئلہ زمین کی دستیابی کا ہے۔ شہری حلقے کئی دفعہ اس بات کو حکومت کے سامنے لائے ہیں کہ ہاؤسنگ سیکٹر میں سٹہ بازوں کی روک تھام کے لیے حکومت کو چاہیئے کہ وہ رہائشی سکیموں میں ایک سال کے اندر گھر تعمیر نا کرنے کی صورت میں اس پر سالانہ 10 سے 12% ٹیکس لگائے تاکہ سٹہ بازوں کی حوصلہ شکنی ہو اور اس سے زمین کی قیمتیں بھی کافی حد تک کنٹرول میں رہیں گی۔اس کے علاوہ حکومت کی طرف سے بنائی جانے والی رہائشی سکیموں میں سائبان کے رہائشی منصوبے خدا کی بستی کے ماڈل کی طرح پلاٹس صرف ان لوگوں کو دینے چاہیئے جو چھ ماہ کے اندر وہاں گھر بنا کر رہائش اختیار کریں، بصورت دیگر ان کی الاٹمنٹ منسوخ کر دی جائے۔ اس کے علاوہ بھی خدا کی بستی کے ماڈل سے کافی کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سب کرنے کے لیے ایک مضبوط سیاسی عزم اور ارادے کی ضرورت ہے۔ وگرنہ ان حالات میں کم آمدنی والے افراد کو اپنے لیے کچی آبادیوں کے علاوہ اور کوئی متبادل نظر نہیں آتا ہے۔

پنجاب کچی آبادیز ایکٹ 1992ء بن جانے کے بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ متعلقہ ادارے کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق فراہم کرنے کے کام کو اپنی ترجیہات میں شامل کرتے،ان آبادیوں میں ترقیاتی کام مکمل کروا کر ان کو شہر میں ہونے والی مجموعی ترقی کے ساتھ جوڑا جاتا، کچی آبادیوں کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے کم لاگتی رہائشی منصوبے بنائے جاتے تاکہ آبادی میں اضافے اور دیہی علاقوں سے شہروں کی طرف مہاجرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے رہائشی دباؤ کو بہتر طریقے سے کنٹرول کیا جا سکتا لیکن 1992ء سے لیکر 2000ء تک کچی آبادیوں کے حوالے سے کوئی خاطر خواہ پیش رفت نظر نہیں آتی سوائے اس کے اس عرصہ کے دوران کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو بے دخلیوں کے حوالے سے کسی بڑی کاروائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔(55)

اکتوبر 1999ء میں پرویز مشرف کے اقتدار میں آنے کے فوری بعد مختلف سرکاری اداروں کی جانب سے کچی آبادیوں کے خلاف آپریشن شروع کیا گیا جس کے نتیجے میں انتظامیہ اور کچی آبادیوں کے رہائشیوں کے مابین پرتشدد واقعات دیکھنے میں آئے۔اس بگڑتی ہوئی صورتحال کے نتیجے میں پرویز مشرف کی ہدایات پر جولائی 2000ء میں وزارت ماحولیات، لوکل گورنمنٹ اور دیہی ترقی کے ذمہ ایک پالیسی پیپر کی تیاری سونپی گئی۔اس مقصد کے لیے تسنیم احمد صدیقی، ڈائریکٹر جنرل سندھ کچی آبادی اتھارٹی کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔(56)

یہ کمیٹی 20 جولائی 2000ء کو تشکیل دی گئی اور اس کمیٹی نے تین ماہ کے اندر اندر کچی آبادیوں اور ان کی بہتری کے حوالے سے ایک قومی پالیسی تیار کرنی تھی۔اس کمیٹی نے صوبائی حکومتوں کی جانب سے مہیا کئے گئے اعداد وشمار کی بنا پر صورتحال کا جائزہ لینے اور کمیٹی کے چیئرمین کو رپورٹ دینے کے لیے ایک چار رکنی گروپ تشکیل دیا جس میں پلاننگ کمیشن، وزارت ماحولیات، کیپٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ریجنل پلاننگ اور پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی سے ایک ایک نمائندہ لیا گیا۔

> محمد خان جونیجو کے دور حکومت میں جو کچی آبادیاں ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کی اراضی پر تھیں، پہلے ان کو مالکانہ حقوق دینے کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ اس میں زمین کی ٹرانسفر کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔لیکن جو کچی آبادیاں مسلم اوقاف، ہندو اوقاف، ریلوے، سول ایوی ایشن، واپڈا، وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی اراضی پر تھیں، انکو مالکانہ حقوق نہ مل سکے۔وزیر اعظم جونیجو کے دور حکومت میں انہوں نے بھی قائد اعظم کی تصویر لگا کر کچی آبادی والوں کو سندیں جاری کی۔لیکن ان کے دور میں مالکانہ حقوق صرف ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کی زمین پر موجود کچی آبادیوں کو ہی ملے۔اس طرح کچی آبادیوں کے مکینوں کے پاس پانچ، چھ تصویروں والی سندیں آ گئیں، جو بھی حکومت آئی اس نے اپنی تصویر لگا کر کچی آبادیوں کو سند دے دی کہ یہ مالکانہ حقوق ہیں۔کچی آبادیوں والے یہ سندیں اس لیے لے لیتے تھے کہ چلو حکومت کی جانب سے کوئی دستاویز تو مل رہی ہیں۔
>
> **ظفر اقبال جتالہ، صدر، فیڈریشن آف کچی آبادیز پنجاب**

اس کے علاوہ اس کمیٹی نے ایک دوسرا گروپ پالیسی پلاننگ کے لیے بھی تشکیل دیا۔جس کا کام اس پالیسی کے بنیادی خدوخال اور اس سے متعلقہ ہدایات تیار کرنا تھا۔اس گروپ میں قومی کمیٹی کے چیئرمین جناب تسنیم احمد صدیقی، جناب رضا علی ممبر نیشنل کمیٹی اور اس گروپ کی معاونت کے لیے جناب عارف حسن کو بھی شامل کیا گیا۔(57)

اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں جو تجاویز دیں ان میں چند اس طرح تھیں:

☆ جن علاقوں میں جہاں کچی آبادیوں کی بہتری کے حوالے سے کام ہوئے ہیں، مقامی حکومتوں کو چاہیئے کہ ان علاقوں کی دیکھ بھال اور نظم ونسق کی مکمل ذمہ داری لینے کے لیے فوری طور پر اقدامات اٹھائے۔تا کہ ان علاقوں کو شہری نظام میں شامل کیا جا سکے۔

☆ پنجاب میں سندھ کچی آبادی اتھارٹی کے طریقہ کار کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے قانون وضوابط اور طریقہ کار متعارف کروائے جا سکتے ہیں۔

☆ یہ ضروری ہے کہ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے کے کام کو اپنی اولین ترجیح دینے کا اعلان کیا جانا چاہیئے۔یہ کام صوبائی اور وفاقی دونوں سطح پر کرنا چاہیئے۔اس سارے کام پر عمل درآمد کو موثر مانیٹرنگ اور ماہانہ جائزہ اجلاسوں کے ذریعے، مالکانہ حقوق دینے کے حوالے سے موجود قوانین اور طریقہ کار کو سندھ کچی آبادی کی طرح سادہ اور عدم مرکزی بنا کر یقینی بنائے جا سکتا ہے۔

☆ صوبائی حکومتوں کو کم آمدنی اورغریبوں کے لیے کم لاگتی رہائشی سکیمیں بنانے کے لئے مقامی حکومتوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئیے۔

☆ کم آمدنی اور غریبوں کے لیے گھر بنانے کے لیے آسان قرضوں کی فراہمی کے حوالے سے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن، کمرشل بنکوں اور دیگر متبادل ذرائع کی راہنمائی کو یقینی بنائے۔

☆ مقامی حکومتوں کو اپنا دائرہ کار (اگر ان کو ضرورت کے مطابق اپنی روایتی میونسپل حدود کو وسعت دینے پڑے) ان علاقوں تک بڑھانا چاہئیے، جہاں کچی آبادیاں موجود ہیں۔ تا کہ (i) ان علاقوں میں انفراسٹرکچر کی ضرورتوں کو شہر کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکے۔ ان علاقوں کے لیے موزوں زوننگ، ریگولیشن اور بلڈنگ بائی لاز تیار کئے جا سکیں۔

☆ کچی آبادیوں کے بننے کے پروسس، متعلقہ فریقین اور تبدیلی کے عوامل کی نشاندہی اور ان پر تحقیق کا آغاز ہونا چاہئیے۔

☆ ان تحقیقات کی روشنی میں کچی آبادیوں کی بحالی کے پروگرام ترتیب دینے ضرورت ہے، جن میں کچی آبادیوں کی بے دخلی کو شامل نہیں ہونا چاہئیے، البتہ رضا کارانہ طور پر چند مارکیٹوں اور صنعتی کاروائیوں کو دوسری جگہ منتقل کرنا شامل کیا جا سکتا ہے۔(58)

اس کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں 15 جنوری 2001ء کو ایک صدارتی آرڈیننس جاری کیا گیا۔

کچی آبادیوں کی ترقی اور لیز سے متعلق صدارتی حکم نامہ 15جنوری 2001ء

اس صدارتی حکم کو پالیسی ساز فیصلہ قرار دیا گیا ہے، جس کے درج ذیل نکات ہیں۔

☆ 1985ء سے قبل آباد تمام کچی آبادیوں کو لیز اور ترقیاتی کاموں کا عمل موجودہ پالیسی کے تحت جاری رہے گا۔

☆ متعلقہ ادارے ان کچی آبادیوں کی ایک مکمل فہرست تیار کریں گے جو کہ 1985ء کے بعد ان کی زمینوں پر قائم ہوئیں۔

☆ 1985ء سے قبل قائم اگر کسی کچی آبادی کو دوسرے مقام پر منتقل کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے تو پہلے ان کی نشاندہی کی جائے گی۔ صوبائی گورنر اور متعلقہ وزارتیں یہ کام 28 فروری 2001 تک مکمل کریں گے۔

☆ صوبائی گورنر متعلقہ وزارتوں کی مدد سے 28 فروری 2001ء تک شہروں کے اندر ایسی زمین کی نشاندہی کریں گے جہاں متاثرین یا منتقل کی جانے والی آبادیوں کو بسایا جائے گا۔

☆ متاثرہ کچی آبادیوں کی منتقلی کے لیے جون 2001ء تک ایک جامع منصوبہ تیار کیا جائے گا۔

☆ جب تک (جون 2001ء) یہ جامع منصوبہ تیار نہیں ہوگا کسی بھی کچی آبادی کو مسمار نہیں کیا جائے گا۔

☆ ادارہ ترقیات اسلام آباد اپریل 2001ء کے آخر تک ایک ماڈل شہری رہائشی منصوبے کی منظوری دے گا۔

☆ 1985ء سے قبل اور کچی آبادیوں کی ترقی کے لئے ڈائریکٹر جنرل سندھ کچی آبادی اتھارٹی کے پیش کردہ منصوبے کی طرز پر ایک منصوبہ تیار کیا جائے گا۔

☆ وزارت ریلوئے اور وزارت ہاؤسنگ ورکس اس سلسلے میں ان امور پر مل کر کام کریں گی، جن کچی آبادیوں کی منتقلی، لیز اور ترقیاتی کام شامل ہیں۔

☆ وزارت ریلوے 1985ء سے قبل آباد تمام آبادیوں کو 1985ء کی پالیسی کے تحت این۔او۔سی جاری کرے گا۔جبکہ باقی آبادیوں کو شق 3 اور 4 کے تحت منتقل کیا جائے گا۔

☆ مستقبل میں صوبائی اور وفاق کے زیرانتظام ترقیاتی اداروں کے تحت اعلان کردہ رہائشی سکیموں میں کم آمدنی والے افراد کے لیے الگ سے پلاٹ رکھے جائیں گے جو کہ ان کو سستے داموں فراہم کئے جائیں گے۔

☆ صوبائی گورنر اس پالیسی پر عمل درآمد کرانے کے لئے تمام متعلقہ اداروں کے نمائندوں پر مبنی کمیٹیاں قائم کریں گے۔اس سلسلے میں وفاقی وزیر برائے ماحولیات دیہی ترقی اور لوکل گورنمنٹ گورنروں کے ساتھ بطور رابطہ کار کے فرائض انجام دے گا۔(59)

2007 تک پنجاب میں کچی آبادیوں کی صورت حال

وزیراعلی پنجاب، پرویز الٰہی کے دور حکومت (2002-2007) کے آخری دو سالوں میں آنے والے الیکشن کی وجہ سے کچی آبادیوں کا مسئلہ ایک مرتبہ پھر اخباروں کے فرنٹ پیج کی زینت بننے لگا۔پنجاب اسمبلی نے 2006ء میں پنجاب کچی آبادی ایکٹ 1992ء میں ترمیم کر کے کچی آبادیوں کے قیام کی حتمی تاریخ کو بڑھا کر کے **اس کو** 31 دسمبر 2006ء کر دیا۔30 جون 2007ء تک آتے آتے پنجاب میں کچی آبادیوں کے حوالے سے صورتحال کچھ اس طرح تھی۔

23 مارچ 1985ء کی پالیسی کے تحت پنجاب میں 1100ء کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی تھی، جن میں سے 275 کچی آبادیاں اس پالیسی کے

Transfer of Land to Local Councils	Numbers	%age
Total enlisted pre-1985 Katchi Abadis	1100	
Deleted Katchi Abadis not fullfilling the criteria	275	
Balance Katchi Abadis	825	
Transferred/regularzied Katchi Abadis	741	89%
Non Transferred Katchi Abadis	84	11%

Grant of Proprietary Rights

Total Number of dwelling units (825) Katchi Abadis)	209,863	
Proprietary Rights granted till 30-06-2007	89,188	40%
Balance proprietary Rights	122,587	60%

Source: DGKA Document Study 2010, page # 25

معیار کے مطابق نہ ہونے کے باعث اس فہرست سے خارج کردی گئیں۔ 30 جون 2007ء تک باقی 825 کچی آبادیوں میں سے 741 کچی آبادیوں کو زمین ٹرانسفر ہونے کے بعد مالکانہ حقوق مل چکے تھے، جو کہ کل کچی آبادیوں کا 89% بنتی ہیں۔جبکہ صرف 11% فیصد، 84 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق ملنے باقی رہ گئے تھے۔ان 825 کچی آبادیوں میں گھروں کی کل تعداد 209,863 بنتی تھی، جن میں سے 89,188 گھروں یعنی 42% کو مالکانہ حقوق مل چکے ہیں۔جبکہ 58% گھروں کو ابھی مالکانہ حقوق ملنا باقی تھے۔

Sr. #	Name of Department	No. of Katchi Abadies
1	Pakistan Railways	42
2	Defence / Cantonment Board	15
3	Pak PWD	1
4	Custodian of Enemy property	1
5	Education Department	1
6	Muslim Auqaf	4
7	Pending due to court Cases	2
8	Miscellaneous Deptt.	18
	Total	**84**

مالکانہ حقوق ملنے کی منتظر کچی آبادیاں

23 مارچ 1985 کی پالیسی کے تحت باقی رہ جانے والی 84 کچی آبادیاں جو مختلف محکموں کی زمینوں پر آباد ہیں اور جن کو ابھی تک NOC نہ ملنے کی وجہ سے مالکانہ حقوق نہیں مل سکے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ جہاں تک پاکستان ریلوے کی کچی آبادیوں کی بات ہے۔ اس حوالے سے 42 کچی آبادیوں کا مشترکہ سروے کیا جا چکا ہے۔(60)

ان اعداد و شمار کو دیکھ کر جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ جو کچی آبادیاں مقامی اداروں یا صوبائی حکومت کے ماتحت آتی تھیں، ان کو مالکانہ حقوق دینے کے حوالے سے زمین کی ٹرانسفر کا اتنا مسئلہ نہیں ہوا، لیکن جو کچی آبادیاں وفاقی حکومت اور کنٹونمنٹ بورڈ کی زمین پر ہیں۔ وہاں مالکانہ حقوق کے حوالے سے زمین کی ٹرانسفر میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ 29 سال گذرنے کے باوجود بھی ان آبادیوں کو ابھی تک مالکانہ حقوق نہیں مل سکے۔

1996ء میں نواز شریف کی حکومت نے ہندوٴاوقاف کے حوالے سے ایک فیصلہ کیا تھا کہ ہندوٴاوقاف کی جتنی کچی آبادیاں ہیں ان کو اب مالکانہ حقوق نہیں دیئے جائیں گے، بلکہ ان کو 33 سال کی لیز پر وہ اراضی کرائے پر دی جائے۔ نواز شریف حکومت نے یہ نوٹیفیکیشن چاروں گورنروں کو بھیج دیا۔ محمد خان جونیجو کے دور حکومت میں ہندوٴاوقاف کی اراضی پر موجود کچھ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق مل گئے تھے۔ لیکن نواز شریف کے اس فیصلے کے بعد ہندوٴاوقاف کی اراضی پر موجود کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق ملنے بند ہو گئے۔ ہندوٴاوقاف کی اراضی پر کل 114 کچی آبادیاں ہیں، جن میں سے 26 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق مل چکے ہیں۔ جبکہ باقی 88 کچی آبادیوں کو کچی آبادی کی فہرست میں سے خارج کر کے ہندوٴاوقاف کو واپس کر دی گئیں اور کہا گیا کہ ان کو لیز پر دے دیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہندوٴاوقاف کی اراضی پر جو کچی آبادیاں موجود ہیں، ان میں گھروں کی تعمیر لوگوں نے خود کی ہے۔ لیکن محکمے والے ان لوگوں سے گھروں کا کرایہ مانگتے ہیں۔ لوگوں کا موقف یہ ہے کہ گھر تو انہوں نے خود تعمیر کئے ہیں، تو محکمہ والے زمین کا کرایہ لیں۔ اس کے علاوہ ہندوٴاوقاف والے ان سے سال بعد گھر کی مرمت کے نام پر بھی پیسے مانگتے ہیں، جبکہ یہ کام بھی لوگ خود کرواتے ہیں۔(61)

Year	No. of Katchi Abadies Developed	Funds (Rs. In Million)	Source
2000-2001	4	4.48	KPP Saving
2001-2002	28	105.36	Block Allocation
2002-2003	29	107.496	Block Allocation
2003-2004	52	150.00	Block Allocation
2004-2005	34	100.00	Block Allocation
2005-2006	48	135.00	Block Allocation
2006-2007	No allocation of Funds		
Total	**195**	**602.336**	

2000ء سے لیکر 2007ء کے دوران

ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی، پنجاب نے کچی آبادیوں میں ترقیاتی کاموں کے حوالے سے مرکزی سڑکوں، پینے کے پانی کی سکیموں، سیوریج، بجلی، سوئی گیس کی مین لائنوں اور پارکس کو اپنی ترجیحات میں رکھا۔ اس دوران ان سیکٹرز میں جو ترقیاتی اخراجات کئے گئے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ 2003-2004ء میں سب سے زیادہ 52 کچی آبادیوں میں 150 ملین روپے خرچ کیے گئے۔ اس عرصہ میں 195 کچی آبادیوں میں

Progress Development Works of 9 TMA
During 2007-08

Sr. No.	Name of TMA / DA	Revised Cost	Funds Utilized	% Age	Physical Progress (%age)
1	T M A Gulberg Town, Lahore	16.168	15.76	97	100
2	T M A Okara	107.946	93.103	86	87
3	T M A Arif Wala	29.795	28.593	96	96
4	T M A Khanpur	34.175	30.774	90	90
5	T M A Fort Abbas	57.081	54.153	95	100
6	T M A Sheikhupura	44.238	41.919	95	95
7	T M A Burewala	19.651	17.389	88	90
8	T M A Potohar Town , Rawalpindi	27.825	27.523	99	100
9	T M A Yazman	9.618	6.583	68	70
	Total	346.497	315.797	91	92

ترقیاتی کاموں کی مد میں کل ملا کر 602.336 ملین روپے خرچ کیے گئے ۔(62)

2007-08ء میں پنجاب کے نو اضلاع کی تحصیل / ٹاؤن میونسپل اتھارٹیز میں کچی آبادیوں میں ترقیاتی کاموں کی مد میں 346.497 ملین روپے مختص کئے گئے جن میں سے 315.797 ملین روپے خرچ کئے گئے۔ سب سے زیادہ 93.103 ملین روپے اوکاڑہ میں خرچ کئے گئے۔

List of Scheme Completed
Funds Released During 2007-08
Report up to 31-10-2010

S.#	NAME OF SCHEME	Revised	Amount Utilized	%age	Physical Progress	Remarks
	TMA Gulberfg Town, Lahore					
	Recondtioning of Raja Zahid Road Baja Line (Phase-II)	4.000	4.000	100	100.00%	Work Completed
	Recondtioning of Road near Loco Workshop,Jameelabad	4.000	4.000	100	95.00%	Work Completed
	Recondtioning of Main Road Jameelabad and PCC of different streets in Jameelabad UC. 31(revised/increased cost)	6.668	6.260	100	100.00%	Work Completed
	PCC near Block 514 Baba Bari Wala	1.500	1.500	100	100.00%	Work Completed
	Total	16.168	15.760			

لاہور میں گلبرگ ٹاؤن میں کچی آبادیوں کی بہتری کے لیے 15.76 ملین روپے خرچ کئے گئے۔

2008-09 میں لاہور کی چار کچی آبادیوں قلندر پورہ، ہربنس پورہ، فرید کالونی اور طارق آباد بھٹو کالونی میں ترقیاتی کاموں کے لیے مختص کئے گئے 47.43 ملین روپوں میں سے 21.141 ملین روپے جاری کئے گئے۔ ان ترقیاتی کاموں میں سڑکوں کی تعمیر، فراہمی آب اور آبادیوں کے ارد گرد حفاظتی دیوار تعمیر کرنا شامل تھا۔ ان چار کچی آبادیوں میں جون 2009ء تک حفاظتی دیوار اور فراہمی آب کے ترقیاتی کام تقریباً مکمل ہو چکے تھے۔ جبکہ سڑکوں کی تعمیر ابھی شروع نہیں کی گئی تھی۔

وزیر اعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی کے دور حکومت کے آخری دو سالوں کے دوران جب کچی آبادیوں کی تاریخ کو بڑھا کر 31 دسمبر 2006ء کیا گیا تو پنجاب حکومت نے اس حوالے سے نئے سرے سے کچی آبادیوں کے دوبارہ سروے کروائے۔ جس کے نتیجے میں مزید 385 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی۔ ان 385 کچی آبادیوں میں گھروں کی کل تعداد 56,129 جبکہ کل آبادی 3,92,903 افراد پر مشتمل تھی اور ان کچی آبادیوں کا کل رقبہ 20,413 کنال، 11 مرلے تھا۔

Progress Report on Execution of Development Schemes for District Lahore

Education	W&S	Municipal Services	Literacy	Community Development	Law	Health	Agriculture	Finance & Planning	

FY 2008-09 | Provincial ADP | (RS: In Million)

Scheme Executed	Status	Estimated Cost			Total Exp. Up to 30 June 2009			Funds Released	Total Utilization	Utilization on Releases	Total Cumulatie Expenditures	Physical Progress	Constituencies	Uc/Locality	MNA/MPA
		Capital	Revenue	Total	Capital	Revenue	Total								
Qalander pura (Roads Works), LDA, Lahore	Approved	0	6.583	6.583	0	0	0	6.583	0	0	0	not started	PP-147	K A Qalandarpura	Mr. Muhammad Naveed Anjum MPA
Qalander pura (WASA Works), LDA, Lahore	Approved	0	19.92	19.92	0	0	0	19.92	19.92	100	19.92	Completed	PP-147		
Harbanspura (Road Works) LDA, Lahore	Approved	0	8.578	8.578	0	0	0	8.578	0	0	0	not started	PP-147	K A Harbanspura	
Harbanspura (WASA Works) LDA, Lahore	Approved	0	9.866	9.866	0	0	0	9.866	0	0	0	not started	PP-147		
Construction of Boundry wall around Katchi Abadi fareed Colony Shahdra, LDA, Lahore	Approved	0	1.393	1.393	0	0.575	0.575	1.393	0.575	41	0.575	Finalized		K A Fareed Colony	
Construction of Boundry wall around Katchi Abadi fareed Tariqabad Bhutto Colony, LDA, Lahore	Approved	0	1.095	1.095	0	0.651	0.651	1.095	0.651	59	0.651	Work Completed		K A Tariqabad Bhutto Colony	
Total		0	47.44	47.44	0	1.226	1.226	47.435	21.146		21.146				

وزیراعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی کے دور میں کچی آبادیوں کے حوالے سے 31 دسمبر 2006ء کی تاریخ مقرر کیے جانے کے بعد سروے میں آنے والی اُن 385 کچی آبادیوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ (63)

31 دسمبر 2006 کے بعد کی نشاندہی کی گئی کل کچی آبادیاں	**385**
ٹرانسفر کچی آبادیاں (جو صوبائی حکومت، ٹی ایم اے اور ایل ڈی اے کی زمین پر آباد تھیں	**159**
کچی آبادیاں جن کو ابھی تک NOC نہیں مل سکا جو کہ وفاقی حکومت کی زمین پر آباد ہیں	**42**
پاکستان ریلوے	= 26
متروکہ وقف املاک بورڈ (E.T.P.B)	= 14
ڈیفنس	= 2

کچی آبادیاں جن کو ابھی تک NOC نہیں مل سکا جو کہ صوبائی حکومت کی زمین پر آباد ہیں 7

مسلم اوقاف	=	1
ہاؤسنگ پنجاب	=	1
محکمہ زراعت	=	1
محکمہ صنعت	=	1
محکمہ انہار	=	3

کچی آبادیاں جن کا ریونیو ریکارڈ ابھی نہیں ملا 175

اسی سروے کے نتیجے میں لاہور میں مزید 42 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی۔

1985ء والی پالیسی کے تحت لاہور میں 330 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی تھی **اس طرح یہ 42 کچی آبادیاں ملا کر لاہور میں سرکاری سطح پر تسلیم شدہ کچی آبادیوں کی تعداد 372 ہو جاتی ہے۔** جبکہ ان میں سے ابھی تک صرف 153 کچی آبادی کو نوٹی فائی کیا جا سکا ہے۔

لاہور کی ان 153 کچی آبادیوں کے حوالے سے کچھ تفصیل اس طرح ہے۔

سرکاری سطح پر لاہور میں تسلیم کی گئی کچی آبادیوں میں رقبے کی لحاظ سے سب سے بڑی کچی آبادی، گلستان کالونی نمبر 1,2,3 ہے جس کا رقبہ 875 کنال، 15 مرلے، 148 مربع فٹ ہے۔

رقبے کی لحاظ سے لاہور کی سب سے چھوٹی کچی آبادی، سلطان پورہ بوروالی ہے جس کا رقبہ 3 کنال 4 مرلے 123 مربع فٹ ہے۔

گھروں کے لحاظ سے لاہور کی سب سے بڑی کچی آبادی، آرا چنن دین / مکہ کالونی ہے جہاں گھروں کی تعداد 1612 ہے۔

گھروں کے لحاظ سے لاہور کی سب چھوٹی کچی آبادی، گلی نمبر 13 ریگل سٹریٹ ہے جہاں گھروں کی تعداد 40 ہے۔

مالکانہ حقوق حاصل کرنے کے حوالے سے لاہور کی سب سے زیادہ درخواستیں دینے والی کچی آبادی، آرا چنن دین / مکہ کالونی ہے۔ جہاں سے 1343 درخواستیں وصول ہوئی ہیں۔

لاہور میں سب سے زیادہ کچی آبادیاں صوبائی اسمبلی کے حلقہ 147 اور 152 میں آباد پائی جاتی ہیں۔ ان دونوں حلقوں میں 23,23 کچی آبادیاں موجود ہیں۔ جو کہ نوٹی فائی کی گئی کچی آبادیوں کا 30% بنتی ہیں۔

جبکہ صوبائی اسمبلی کے حلقہ نمبر 157,153 اور 160 میں صرف ایک ایک کچی آبادی آباد ہے۔(64)

1975-2010 کے درمیان لاہور شہر میں، لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے 213 نجی رہائشی سکیموں کی منظوری دی جن کا کل رقبہ 1,42,620 کنال تھا۔ ان میں سے 160 میں ترقیاتی کام مکمل ہیں جبکہ 53 سکیموں میں ترقیاتی کام مکمل نہیں ہیں۔ ان سکیموں کے اندر پلاٹس سائز کے حوالے سے نگاہ ڈالیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ رہائشی شعبہ میں پرائیوٹ سیکٹر کی ترجیہات میں کم آمدنی والے لوگوں کو بری طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔

ان نجی رہائشی سکیموں میں پلاٹس کی کل تعداد 1,19,831 ہے۔ ان میں سے تین اور پانچ مرلہ پلاٹس کل پلاٹس کا صرف 14.4% بنتے ہیں اور

Detail of Plots in 213 Private Housing Schemes (1975-2010)

Plot Size	Total Plots	%
3- Marla	3,792	3.2
5- Marla	13,445	11.2
7- Marla	5,614	4.7
10- Marla	31,968	26.7
15- Marla	4,613	3.85
1- Kanal	47,097	39.30
2- Kanal	10,354	8.64
4- Kanal	908	0.76
6- Kanal	911	0.76
8- Kanal	1,129	0.94
Grand Total	**119,831**	100.0

اگر ان میں سات مرلے کے پلاٹس بھی شامل کر لیے جائیں تب بھی یہ صرف 19.1% بنتے ہیں۔ دس مرلہ کے پلاٹس کل پلاٹس کا 26.7% بنتے ہیں، جبکہ ایک کنال کے پلاٹس کل پلاٹس کا 39.30% بنتے ہیں۔ اس طرح دس مرلہ سے آٹھ کنال کے پلاٹس کل پلاٹس کا 80% سے زائد بنتے ہیں۔ یہ اعداد و شمار ہمارے ملک میں موجود ترقیاتی سیکٹر کے منصوبہ سازوں اور سرمایہ کاروں کے ذہن کی عکاسی کرتے ہیں، جو صرف اپر مڈل کلاس اور اشرافیہ کو ہی ذہن میں رکھ کر ترقیاتی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔(65)

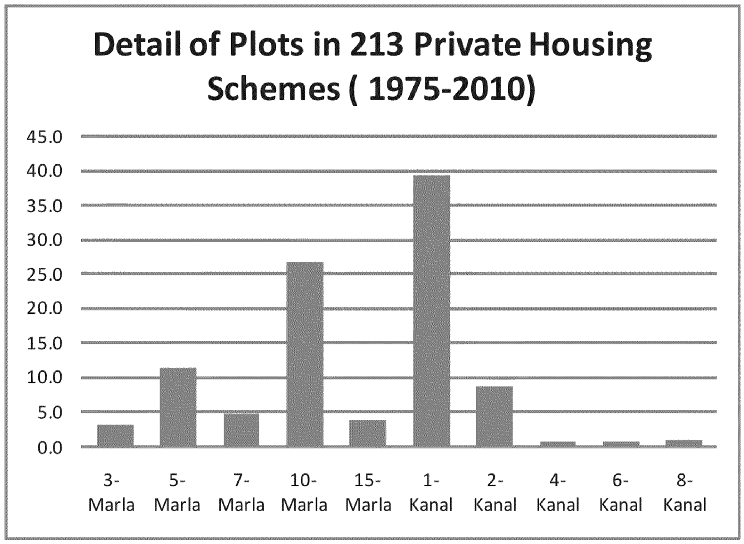

مئی 2012ء تک پنجاب کے 25 اضلاع کے مختلف ٹاؤنز اور تحصیلوں میں 381 ترقیاتی سکیمیں جاری تھیں، جن میں سے 155 ترقیاتی سکیموں کا کام مکمل ہو چکا تھا جبکہ بقایا 226 ترقیاتی سکیموں کے حوالے سے کام جاری تھا۔(66) وزیراعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف کے دور میں ایک مرتبہ پھر کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے کے عزم کا اعادہ کیا گیا۔ جس کے نتیجے میں سنیئر مشیر وزیراعلیٰ پنجاب جناب ذوالفقار علی کھوسہ کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔(اس کی تاریخ) اس کمیٹی نے سب سے پہلے پنجاب کچی آبادی ایکٹ 1992ء کو صوبے میں پہلی مرتبہ دیہی علاقوں تک لے جانے کی تجویز دی۔ اس کے علاوہ کچی آبادیوں کی تاریخ کو 31 دسمبر 2011ء تک بڑھانے کی بھی تجویز دی گئی۔

جس کے نتیجے میں پنجاب کچی آبادی (ترمیم شدہ) بل پنجاب اسمبلی سے یکم مارچ 2012ء کو منظور کیا گیا جس میں دیہی علاقوں کی کچی آبادیوں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا اور کچی آبادیوں کی تاریخ کو بڑھا کر 31 دسمبر 2011ء کر دیا گیا۔(67)

15 مئی 2012ء کو ڈائریکٹوریٹ جنرل آف کچی آبادی پنجاب کی جانب سے ایک سرکلر جاری کیا گیا جس میں کچی آبادیوں کے حوالے سے پالیسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے کے حوالے سے معیار

اس سرکلر کے مطابق کوئی بھی علاقہ جس پر غیر قانونی طور پر قبضہ کیا گیا تھا اور مسلسل قبضہ کے بعد کچی آبادی سمجھا جائے گا اگر وہ درج ذیل شرائط پوری کرتی ہو

(1) 31 دسمبر 2011 سے پہلے سے قائم ہو

(2) سرکاری زمین پر ہو

(3) کم از کم 40 مکانات پر مشتمل ہو

(4) وہ زمین حکومت کو رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے درکار نہ ہو

کچی آبادیوں کے رہائشیوں کا نیا سروے

اس علاقے کا DCO موجودہ TMA/ڈویلپمنٹ اتھارٹی کی مدد سے سٹلائیٹ نقشوں کا سروے اور فزیکل سروے کروائے گا۔ تاہم متاثرہ لوگ ضلعی عمل درآمدی کمیٹی کے سامنے اپیل کا حق رکھتے ہیں۔ سروے درج ذیل معلومات کے حصول کے لیے ضروری ہے۔

(1) مکانات کی تعداد

(2) ہر مکان کا رقبہ

(3) ہر کچی آبادی کا کل رقبہ خسرہ نمبر کے مطابق

(4) کچی آبادی میں زمین کی جائیدای محصولات

(5) ہر کچی آبادی میں زمین کا عکس شجرہ اور محصولات کے ریکارڈ کی فراہمی

(6) عوام الناس کے زیر استعمال زمین کی نشاندہی مثلاً گلیاں، فٹ پاتھ، نکاسی آب، مساجد، سکولز، ڈسپنسری وغیرہ

سروے ریکارڈ کی کمپیوٹرائزیشن

یہ فیصلہ کیا گیا کہ سکیم کے سروے ریکارڈ کو اس علاقے کا اسسٹنٹ کمشنر، TMA/ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے تعاون سے کمپیوٹرائز کرے گا۔

عمل درآمد کروانے والے ادارے

متعلقہ علاقے کا اسسٹنٹ کمشنر دیہی علاقوں میں کچی آبادیوں کے حقیقی باشندوں کو مالکانہ حقوق دینے کا ذمہ دار ہوگا جبکہ شہری علاقوں میں TMA/ڈویلپمنٹ اتھارٹی ذمہ دار ہوں گی۔

مالکانہ حقوق کس طرح حاصل کیئے جاسکتے ہیں

نوٹی فائی کچی آبادیوں یا وہ کچی آبادیاں جو کہ کچی آبادی کے معیار پر پورا اترتی ہوں، ان کے رہائشی دیہی علاقہ کی صورت میں اپنے علاقہ کے متعلقہ اسسٹنٹ کمشنر اور شہری علاقہ کی صورت میں اپنی متعلقہ TMA/ڈویلپمنٹ اتھارٹی کو درخواست دے سکتے ہیں۔

کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو مالکانہ حقوق دینے کے حوالے سے قابلیت کا معیار

☆ مالکانہ حقوق صرف ان لوگوں کو دیئے جائیں گے جن کے پاس اس سے پہلے کوئی گھر یا ملکیت نہیں ہوگی

☆ زرعی یا رہائشی زمین کے مالکان کو مالکانہ حقوق نہیں دیئے جائیں گے

☆ ایسے کسی علاقہ کو مالکانہ حقوق نہیں دیئے جائیں گے جہاں پر غیر قانونی تعمیرات صرف کمرشل سرگرمیوں کے لیے بنائی گئی ہوں

☆ شہری علاقوں میں زیادہ سے زیادہ 5 مرلے اور دیہی علاقہ میں زیادہ سے زیادہ ایک کنال کے رہائشیوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے

☆ کسی بھی کچی آبادی کے حقیقی رہائشیوں کی اہلیت کی جانچ کے لیے شناختی کارڈ، ووٹر لسٹ یا بجلی/سوئی گیس کے بل جیسی بنیادی دستاویزات سے مدد لی جاسکتی ہے

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ کولیکٹر کی جانب سے جاری کیے جانے والے سرٹیفکیٹس

کسی بھی کچی آبادی کو مالکانہ حقوق دینے کے لیے متعلقہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ کولیکٹر کی جانب سے درج ذیل سرٹیفکیٹس درکار ہونگے:

☆ Non Encumbrance Certificate

☆ Non Litigation Certificate

☆ کچی آبادی اس دیہی/شہری علاقے کی حدود میں قائم ہو

☆ کچی آبادی 31 دسمبر 2012ء کی تاریخ سے پہلے کی قائم ہو

☆ اس کچی آبادی کے تحت جو زمین آرہی ہے وہ کسی سرکاری ادارے کو اپنے کسی پروگرام کے لیے درکار نہ ہو

وفاقی حکومت کی اراضی پر قائم کچی آبادیاں

ایسی کوئی بھی اراضی جو کسی وفاقی یا صوبائی حکومت کی محکمے، اتھارٹی، کارپوریشن یا کوئی باڈی جو وفاقی حکومت کے کنٹرول یا ماتحت ہو اسے کچی آبادی قرار نہیں دیا جاسکے گا، تاآنکہ ان وفاقی یا صوبائی اداروں سے مشاورت یا اجازت نہ حاصل کرلی جائے

ڈیمانڈ نوٹس کا اجراء

یہ سارا عمل مکمل ہونے کے بعد سروے کے ریکارڈ کے مطابق کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو درج ذیل واجبات کی وصولی کے لیے ڈیمانڈ نوٹس جاری کیے جائیں گے۔

☆ زمین کی قیمت

☆ ترقیاتی اخراجات

☆ **مطالبات کو Sale- deed کے ذریعے بھی بھیجا جاسکتا ہے جو مالکانہ حقوق کے انتقال کے لیے رہائشیوں کی مد میں دی جائیں۔**

زمین کی قیمت اور ترقیاتی اخراجات کی وصولی

شہری علاقوں میں موجود کچی آبادی کی زمین کی قیمت 31 دسمبر 2011 سے قبل کے نرخوں کے حساب سے وصول کی جائے گی

رہائشی: 5 مرلہ تک کی اراضی کی قیمت کا تخمینہ کے لیے اس کچی آبادی کے قریب یا اس جیسی آبادی میں زمین کے مارکیٹ ریٹ کے مطابق وصولی

کی جائے گی

دیہی علاقوں میں کچی آبادیوں کے لیے 31 دسمبر 2011 کی تاریخ سے پہلے کی زمین کی قیمت کے حساب سے وصول کی جائے گی۔

دیہی علاقوں میں رہائشی یونٹ:

دیہی علاقوں میں دس مرلہ تک -/172 فی مرلہ قیمت وصول کی جائے گی۔

دیہی علاقوں میں دس مرلہ سے زیادہ اور ایک کنال تک کی اراضی کے لیے -/750 روپے فی مرلہ قیمت وصول کی جائے گی۔

دیہی علاقوں میں ایک کنال سے زائد اراضی خالی کروالی جائے گی۔

بیواؤں/یتیموں سے زمین کی قیمت واپس نہیں لی جائے گی

شہری اور دیہی علاقوں میں مالکانہ حقوق میاں اور بیوی دونوں کے نام برابری کی بنیادوں پر دیئے جائیں گے۔

مزید غیر قانونی قبضے کی روک تھام کے حوالے سے اقدامات

اسسٹنٹ کمشنر سرکاری اراضی پر غیر قانونی قابضین/رہائشیوں کو Colonization of Government Land Act 1912 کے سیکشن 32 اور 34 کے تحت بے دخل کرنے کے لیے بااختیار ہوگا۔

31 دسمبر 2011ء تک ہونے والے حتمی سروے کی روشنی میں غیر وانونی قابضین اور غیر مستحق رہائشیوں سے کچی آبادیوں اور اس کے اردگرد سے قبضہ چھڑوانا اسسٹنٹ کمشنر کی ذمہ داری ہوگی۔

نجی اراضی پر قائم کچی آبادیاں

کسی بھی شخص یا سوسائٹی کے زیر ملکیت اراضی کو کچی آبادی قرار نہیں دیا جاسکے گا تاوقتیکہ اس میں اس شخص یا سوسائٹی کی رضامندی شامل نہ ہو۔اور اگر ایسی کسی اراضی کو کچی آبادی قرار دیا جائے گا تو اس میں ان شرائط وضوابط کو مدنظر رکھا جائے گا جو اس شخص، سوسائٹی اور ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی کے درمیان طے پائیں گے۔(68) **(ڈی جی کچی آبادی لیٹر بتاریخ 15 مئی 2012)**

پنجاب میں وزیر اعلیٰ شہباز شریف کے دور حکومت (12-2011) میں کچی آبادیوں (شہری اور دیہی) کے جو سروے کئے گئے ان کے مطابق پنجاب میں مزید 4043 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں گھروں کی کل تعداد 326,516 ہے۔اس سروے میں فزیکل سروے کے ساتھ ساتھ GIS پر ان کچی آبادیوں کی نقشہ سازی بھی کی گئی ہے تاکہ مستقبل میں مزید غیر قانونی تجاوزات کو روکا جاسکے۔اس کے علاوہ 2 لاکھ اسناد حقوقِ ملکیت بھی متعلقہ ڈسٹرکٹ کوارڈینیشن آفیسرز کو جون 2012 تک مہیا کر دی گئی ہیں۔

جنوری 2013ء کے آتے آتے گذشتہ پالیسیوں 1978، 1985 اور 2006 کے تحت جن کچی آبادیوں کو اب تک مالکانہ حقوق دیئے جاچکے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔**(69)**

Status of Previous Regularization Schemes 1978 to 2006

Sr. No	Name of Division	Declared Kachi Abadis		Mutated Kachi Abadis		PRs Granted	Balance PRs	% of Balance PRs
		No. of K. As	No. of D. Us	No. of K. As	No. of D. Us			
1	Lahore	219	51,050	210	49,833	18,353	31,480	63%
2	Faisalabad	199	51,324	175	44,130	13,141	30,989	70%
3	Bahawalpur	138	36,915	122	34,092	16,001	18,091	53%
4	Multan	115	36,414	97	33,845	23,422	10,423	31%
5	Sahiwal	91	25,747	86	25,426	23,876	1,550	6%
6	Gujranwala	63	7,955	63	7,955	3,093	4,862	61%
7	Sargodha	42	6,894	39	6,183	4,608	1,575	25%
8	D.G Khan	28	4,273	28	4,273	2,563	1,710	40%
9	Rawalpindi	5	2,786	5	2,786	2,014	772	28%
	Grand Total	**900**	**223,358**	**825**	**208,523**	**107,071**	**101,452**	**49%**

فروری 2012ء کی ایک خبر کے مطابق ایل ڈی اے کی جانب سے محکمہ کچی آبادیز کو پنجاب حکومت کی ہدایت پر مالکانہ حقوق کے لیے 235 رجسٹرڈ کچی آبادیوں میں سے 141 کی فہرست بھجوائی گئی ہے۔ باقاعدہ سروے کے بعد 1985ء سے رجسٹرڈ کچی آبادیوں کو بھی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ ریلوے، محکمہ اوقاف، متروکہ وقف املاک، ریونیو، محکمہ صحت، مواصلات وتعمیرات اور ڈی ایچ اے کی جانب سے این او سی کا اجراء نہ ہونے سے لاہور کی 94 کچی آبادیوں کے لاکھوں مکین پنجاب حکومت کے مالکانہ حقوق دینے کے حالیہ فیصلے سے مستفید نہیں ہوسکیں گے۔ فہرست میں شامل نہ ہونے کے باعث سالہا سال سے سے قابض مکین متعلقہ محکموں کی جانب سے اراضی خالی کروانے اور بے گھر ہونے کے خوف میں مبتلا ہیں۔ ایل ڈی سے کی جانب سے 235 میں سے جن 94 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ان میں سے زیادہ تر کچی آبادیاں اب گنجان اور پوش علاقوں میں آچکی ہیں جس کے باعث متعلقہ محکمے بھی مالکانہ حقوق میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔(70) (ڈیلی سٹی 42، تاریخ: 2012-02-25، صفحہ نمبر 1)

یادرہے کہ پنجاب حکومت کی جانب سے 09-2008ء کے بعد سے محکمہ کچی آبادی اور شہری ترقی کو زیرالتوا اور نئی ترقیاتی سکیموں کی مد میں دو ارب 15 کروڑ 30 لاکھ روپے کے فنڈز میں سے ایک پائی بھی جاری نہیں ہوسکی۔ ترقیاتی کام نہ ہونے سے پنجاب کی 900 رجسٹرڈ کچی آبادیوں کے لاکھوں مکین ترقیاتی کاموں سے محروم ہیں۔ کچی آبادیوں میں نئی ترقیاتی سکیمیں تو دور کی بات جاری اور زیرالتواء سکیموں کے لیے بھی فنڈز کی فراہمی کے لیے پنجاب حکومت کی جانب سے کوئی عندیہ نہیں دیا جارہا اور آئندہ انتخابات کے پیش نظر کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے کے حوالے سے کام کیا جارہا ہے جبکہ ترقیاتی پیکج کا معاملہ گول کردیا گیا ہے۔(71) (نئی بات، تاریخ: 2012-01-17، صفحہ نمبر 3)

اپریل 2012ء میں پی اینڈ ڈی ڈپارٹمنٹ نے محکمہ کچی آبادیز پنجاب کے لیے دو کروڑ دس لاکھ روپے کے ترقیاتی فنڈز کی منظوری دی۔ لیکن یہ منظور کردہ فنڈز بھی دیگر اضلاع کے لیے تھے۔ یہ فنڈز فیصل آباد اور دیگر کچی آبادیوں کے لیے تھے۔ لاہور کی 235 ایل ڈی اے کی رجسٹرڈ کچی آبادیوں کے لیے 2012ء میں کوئی ترقیاتی سکیم منظور نہیں کی گئی نہ ہی فنڈز کا اجرا کیا گیا۔(72) (ڈیلی سٹی 42، تاریخ: 2012-04-5، صفحہ نمبر 1)

اسی طرح 2012ء تک لاہور کی 109 سروے شدہ کچی آبادیاں صرف متعلقہ محکموں کی جانب سے ریکارڈ کی عدم فراہمی کی وجہ سے مالکانہ حقوق سے تا حال محروم ہیں۔(73) (نئی بات، تاریخ: 2012-11-02، صفحہ نمبر 2)

کچی آبادیوں کے مسائل یوں تو بہت زیادہ ہیں، جن میں سے پہلا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ ان کچی آبادیوں میں رہ رہے ہیں۔ ان کو مالکانہ حقوق ملنے چاہئیں۔ دوسرا یہ کہ ان کچی آبادیوں کی حالت کو بہتر کیا جائے۔ ان میں ترقیاتی کام کروائے جائیں اور ان کو شہر میں ہونے والے ترقیاتی منصوبوں اور شہر کے

ماسٹر پلان کے ساتھ جوڑا جائے۔تاکہ ان کچی آبادیوں میں رہنے والوں کے حالات زندگی بہتر ہوسکیں اور یہ کچی آبادیاں شہر سے کٹ کر نہ رہ جائیں۔

بنیادی طور پر کچی آبادیوں کے یہی دو بڑے مسائل ہیں۔اس کے علاوہ جو دیگر مسئلے ہیں وہ انہی دو بڑے مسائل کے ساتھ سے جڑے ہوئے ہیں۔جہاں تک مالکانہ حقوق کا معاملہ ہے تو عام طور پر یہ ہوا ہے کہ جب کبھی بھی کچی آبادیوں کے سروے کیئے گئے اور پالیسی وغیرہ آئی اور موجودہ صوبائی حکومت کے دور میں بھی یہ ہو رہا ہے۔لیکن مالکانہ حقوق دینے کا جو پروسس اور طریقہ کار ہے خود اس میں اتنے پیچیدہ مراحل ہیں جس کی وجہ سے وہ مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کیئے جا سکے جن کی توقع کی جاتی تھی۔

کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے میں جو رکاوٹیں ہیں،ان میں سے پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ جس زمین پر کچی آبادی بنی ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی صوبائی یا وفاقی حکومت کے کسی ادارے کی ملکیت ہوتی ہے،مثلاً کوئی زمین محکمہ انہار کی ہوگی،کوئی زمین محکمہ زراعت یا کسی اور محکمے کے پاس ہوگی۔اب جب تک وہ صوبائی محکمہ اس زمین کے حوالے سے NOC (No Objection Certificate) نہیں دے گا۔اس وقت تک وہ آبادی،کچی آبادی ڈکلیئر نہیں ہو سکتی۔پھر اسی طرح وفاقی حکومت کے مختلف محکمے ہیں جن کی تحویل میں زمین ہوتی ہے۔

جو زمین صوبائی حکومت کی ملکیت ہوتی ہے،اس میں تو اتنا مسئلہ نہیں ہوتا۔لیکن جو زمین مختلف صوبائی یا وفاقی حکومت یا وفاق کے محکموں کی تحویل میں ہوتی ہے ،وہاں مسائل درپیش آتے ہیں۔خاص طور پر وفاقی حکومت کے محکموں کی زمینوں کے حوالے سے کافی دشواری پیش آتی ہے۔اس لیے کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق ملنے میں سب سے پہلی رکاوٹ مختلف صوبائی اور وفاقی اداروں کی جانب سے NOC کا نہ ملنا ہے۔جب تک NOC نہیں ملتا،ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب اس اراضی پر آباد آبادی کو کچی آبادی ڈکلیئر نہیں کر سکتا۔

سروے ہو جاتے ہیں لیکن NOC نہ ملنے کی وجہ سے ان کچی آبادیوں کی حیثیت غیر قانونی ہی رہتی ہے۔ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کو کچی آبادی کو نوٹی فائی Notify کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک تو یہ کہ جس محکمے کی وہ زمین ہے وہ ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کو NOC دے،دوسرا اس علاقے کی ضلعی انتظامیہ بھی ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کو اس بات کا سرٹیفکیٹ دے کہ اس زمین کے حوالے سے کوئی عدالتی کیس نہیں چل رہا ہے۔کیونکہ اگر اس آبادی کے حوالے سے عدالت میں کوئی معاملہ زیر سماعت ہے تب بھی اس کچی آبادی کو نوٹی فائی نہیں کیا جا سکتا۔جب تک یہ دونوں چیزیں ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کو نہ ملیں،وہ کسی آبادی کو کچی آبادی ڈکلیئر نہیں کر سکتا۔

اگر یہ مراحل طے ہو جائیں اور متعلقہ محکمے اور ضلعی انتظامیہ کی جانب سے NOC آ جائے تو پھر ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب اس کچی آبادی میں رہنے والوں کو فرداً فرداً مالکانہ حقوق دینے ہوتے ہیں۔اب اس مرحلے پر مسئلہ یہ آتا ہے کہ سروے ہونے کے بعد نوٹی فائی (Notify) ہونے میں 7 یا 10 سال کا عرصہ لگ گیا تو اس دوران اس آبادی میں کافی تبدیلیاں آ گئی ہوتی ہیں۔مثلاً سروے میں جن لوگوں کے نام درج تھے اب وہ وہاں رہائش پذیر نہیں ہیں۔وہ گھر بیچ کر جا چکے ہیں۔یا سروے میں جس آدمی کا نام تھا وہ وفات پا چکا ہے۔اب مسئلہ یہ آتا ہے کہ سروے میں جس بندے کا نام تھا وہ اب وہاں نہیں ہے تو پھر مالکانہ حقوق کسے اور کیسے دیئے جائیں۔

ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب نے اس کا حل یہ نکالا کہ اس جگہ جو آدمی قابض ہے اس کے پاس اس گھر یا جگہ کی ملکیت کے حوالے سے کوئی قانونی دستاویز موجود ہو،جیسے اسٹامپ پیپر وغیرہ۔اب جتنا جتنا وقت گذرتا جاتا ہے عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ پراپرٹی دو تین ہاتھوں میں فروخت ہو چکی ہوتی ہے۔اب ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب والے اس موجودہ رہائشی سے کہتے ہیں کہ اس کے پاس سروے والے بندے سے لیکر اب تک جتنی دفعہ وہ پراپرٹی فروخت ہوئی ہے اس کا تمام قانونی ریکارڈ ہونا چاہیئے۔اب وہ رہائشی زیادہ سے زیادہ جس سے اس نے زمین یا گھر لیا ہوتا ہے اس کی دستاویز لے آتا ہے۔اب اوریجنل سروے سے لیکر اس تک آتے آتے جتنی دفعہ وہ گھر یا جگہ فروخت ہوئی ہے اس کا ریکارڈ موجودہ رہائشی کے پاس ہونا تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔جس کی وجہ سے اس کو مالکانہ حقوق نہیں مل پاتے۔اسی طرح وہ رہائشی جس کا سروے میں نام تھا اگر وہ فوت ہو گیا ہے تو اس کے ورثا کو عدالت میں جا کر

پہلے اپنے آپ کو اس کا قانونی وارث ثابت کرنا پڑتا ہے۔

ہونا یہ چاہیئے کہ جس وقت کچی آبادی نوٹی فائی ہو اس کے بعد بھی اس کا سروے ہونا چاہیئے تا کہ نوٹی فائی ہونے کے بعد جو لوگ وہاں رہائش پذیر ہیں ان کو مالکانہ حقوق مل سکیں۔

پہلے یہ ہوتا تھا کہ اگر سروے میں موجود شخص وہاں رہائش پذیر نہیں تو جو بندہ اس کی جگہ وہاں رہ رہا ہوتا تھا اس کو مارکیٹ ریٹ پر مالکانہ حقوق دیئے جاتے تھے۔لیکن بعد میں حکومت کو یہ احساس ہوا کہ جو شخص سروے کے بعد وہاں رہائش پذیر ہے،اس نے بھی پہلے والے شخص سے وہ زمین یا گھر قیمت ادا کر کے خریدا ہے تو وہ بیچارہ اب مالکانہ حقوق کے لیے پھر مارکیٹ ریٹ پر قیمت ادا کرے۔تو ان باتوں کی وجہ سے بھی مالکانہ حقوق ملنے میں تاخیر ہوتی تھی۔اس لیے حکومت نے طے کیا کہ ایسے رہائشیوں کو گورنمنٹ کے سبسڈی والے ریٹ پر ہی مالکانہ حقوق دیئے جائیں۔لیکن ان کے لیے بھی لازمی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے جتنی دفعہ وہ جگہ یا گھر فروخت ہو چکا ہے اس کی قانونی دستاویز لائے۔جس کی وجہ سے ابھی تک صرف 50% لوگوں کو ہی مالکانہ حقوق مل سکے ہیں۔ذوالفقار علی بھٹو سے لیکر پرویز الٰہی کے دور تک جتنی آبادیاں سروے میں آتی تھیں ان میں سے 900 کچی آبادیاں نوٹی فائی ہوئی ہیں۔اور ان 900 کچی آبادیوں میں بھی تقریباً 50% لوگوں کو مالکانہ حقوق مل سکے ہیں۔(راشد محمود، DGKA)

دوسرا معاملہ کچی آبادیوں میں ترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے ہے۔پنجاب کی حد تک نوٹی فائی کچی آبادیوں میں ترقیاتی کاموں کے حوالے سے صورتحال قدرے تسلی بخش ہے۔ان کچی آبادیوں میں نہ صرف پنجاب حکومت نے فنڈز مہیا کئے بلکہ صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبران اور مقامی حکومتوں نے بھی ترقیاتی کام کروائے۔لیکن اس میں بہتری لائی جاسکتی ہے اگر ان ترقیاتی منصوبوں میں وہاں کے رہائشیوں کی بھی شمولیت ہو۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ پنجاب میں کچی آبادیوں کے حوالے سے جو ادارہ ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کی صورت میں موجود ہے، وہ ایک طرح سے صرف لاہور تک محدود ہے،یعنی صرف ہیڈ آفس میں محدود سا عملہ موجود ہے۔جبکہ ضلعی سطح ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کا اپنا کوئی دفتر یا عملہ موجود نہیں ہے۔پھر جو عملہ ہیڈ آفس میں موجود ہے اس میں بھی پروفیشنل افراد کی کمی ہے۔جس کی وجہ سے محکمہ کو ضلعی انتظامیہ،ٹی ایم اے اور ڈویلپمنٹ اتھارٹیز پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ان ضلعی اداروں کے پاس کچی آبادیوں کے کام کے حوالے سے کوئی باقاعدہ تربیت یافتہ عملہ موجود نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر وہ خانہ پوری ہی کرتے ہیں،جس کی وجہ سے بھی کئی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب اور ذیلی اداروں میں پروفیشنل افراد موجود ہوں جو کہ ہاؤسنگ سے متعلقہ مسائل کا بہتر طور پر ادراک رکھتے ہوں۔اس کے علاوہ کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو شراکتی ترقی کی بنیاد پر ترقیاتی منصوبوں میں شامل کرنا چاہیئے۔تا کہ ترقی کا عمل زیادہ موثر اور پائیدار ہو سکے۔

ہاؤسنگ بنیادی انسانی ضرورت ہے۔آبادی میں اضافے اور مہاجرت کے نتیجے میں آبادی میں اضافہ ہونا تو ایک طے شدہ امر ہے۔جس کی وجہ سے رہائشی گھروں کی مانگ میں اضافہ ہونا لازمی ہے۔اس کے علاوہ ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی پنجاب کی طرف سے کیے حالیہ سروے میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ کچی آبادیاں صرف شہروں کا مسئلہ نہیں ہیں بلکہ دیہاتوں میں بھی شہروں کی طرح کچی آبادیاں موجود ہیں اور یہ کچی آبادیاں دیہی علاقوں میں پچھلے 30,20 سال سے موجود ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کم آمدنی والے لوگ چاہے وہ دیہی علاقوں میں ہوں یا شہروں میں ان کے لیے زمین خرید کر گھر تعمیر کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

ان لوگوں نے اپنے رہائشی مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ تو تلاش کرنا ہوتا ہے اور پھر کچی آبادی بن جانے کے بعد حکومت نے بھی ان کو مالکانہ حقوق دے دینے ہوتے ہیں۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ حکومت کم آمدنی والے لوگوں کے لیے ایسی رہائشی سکیمیں بنائے جو ان کی استطاعت میں ہوں۔یعنی زمین کی منصوبہ بندی کر کے تھوڑا بہت انفراسٹرکچر بنا کے کم آمدنی والے لوگوں کو دے دیں اور ان لوگوں سے اقساط میں قیمت وصول کر لی جائے۔اس سے

یقیناً یہ ہوگا کہ بغیر کسی منصوبہ بندی کے جو بے ہنگم کچی آبادیاں بن رہی ہیں۔ وہ رک جائیں گی یا کافی حد تک کم ہو جائیں گی۔ عام آدمی خوامخواہ کوئی غیر قانونی کام نہیں کرنا چاہتا، لہذا اگر انہیں قانونی طریقے سے رہائش فراہم کردی جائے تو وہ کیوں کسی کچی آبادی میں جائے گا۔ عام آدمی کا مسئلہ صرف یہ ہے کہ اسے اس کی استطاعت کے مطابق رہائش فراہم کردی جائے۔

اس لیے حکومت اگر خدا کی بستی یا Guided land development کی طرز پر باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے آسان شرائط پر، آسان طریقے کار کے مطابق لوگوں کو رہائش کی سہولت فراہم کی جائے تو کچی آبادیوں کے پھیلاؤ پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اگر شہروں میں ترقیاتی ادارے، مقامی حکومتیں اس حوالے سے پہلے سے کوئی منصوبہ بندی کرلیں کہ آئندہ آنے والے سالوں میں آبادی میں کس تناسب سے اضافہ ہوگا اور کتنے رہائشی گھروں کی ضرورت ہوگی۔ لوگوں کے پاس وسائل موجود ہیں، مسئلہ ان کی اچھے طریقے سے منصوبہ بندی کرنے کا ہے۔

اس کے علاوہ سختی سے لینڈ ریکارڈ بنایا جائے اور اس میں اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ کسی شخص کے پاس دو سے زیادہ گھر یا پلاٹ نہیں ہونے چاہیئے۔ کیونکہ سٹہ بازوں اور پراپرٹی میں سرمایہ کاری کرنے والوں نے معاملہ بہت خراب کیا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے زمین کی قیمتیں عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہوگئی ہیں۔ دنیا میں لوگوں نے اس حوالے سے کام کر کے دکھایا ہے مثلاً برازیل میں انہوں نے لینڈ ریکارڈ سسٹم بنایا ہوا ہے اور وہاں پر اس بات پر سختی سے عمل درآمد کیا جاتا ہے کہ کسی شخص کو ایک سے زیادہ ہاؤسنگ یونٹ نہ دیا جائے۔

اس کے علاوہ شہر کے مرکز میں دس مرلے سے زیادہ کے رہائشی گھر کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے اور اگر اجازت دی بھی جائے تو ایسے رہائشی یونٹوں پر ٹیکس لگانا چاہیئے تاکہ اس سے ان کی حوصلہ شکنی ہوسکے۔

اس کے علاوہ دو تین منزلہ رہائشی عمارتیں بنائی جانی چاہیئے۔ تاکہ کم آمدنی والے لوگ شہروں کے اندر رہ سکیں اور امیر لوگ شہروں سے باہر مضافاتی علاقوں میں جاکر رہیں کیونکہ ان کے پاس گاڑیاں ہوتی ہیں، وسائل ہوتے ہیں۔ وہ اس طرح کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں الٹا حساب ہے ، امیر لوگ شہر کے اندر کنالوں اور ایکٹروں کے گھروں میں رہ رہے ہیں۔ جبکہ کم آمدنی والی آبادی شہر کے مضافات میں رہ رہی ہے۔ تیسرا یہ کہ جو شخص ایک سال کے اندر اندر اپنے پلاٹ پر گھر تعمیر نہیں کرتا اس پر ٹیکس لگانا چاہیئے۔

کچی آبادیوں کے مسئلے کو شہری منصوبہ بندی سے الگ کر کے نہ تو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ ہاوسنگ کے معاملے سے جڑے دیگر مسائل کو حل کیئے بغیر کچی آبادیوں کے مسئلے کو حل نہیں کیا جاسکتا۔

پاکستان میں ھاؤسنگ کے حوالے سے اپنائی جانے والی مختلف پالیسیاں

قیام پاکستان سے لیکراب تک پاکستان میں جومختلف ہاؤسنگ پالیسیاں اپنائی جاتی رہی ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

انڈین مسلم مہاجرین کو متروکه وقف املاک کی منتقلی:

پاکستان کا قیام 1947ءکوعمل میں آیااور سرحد کے دونوں جانب پاکستان اور ہندوستان میں بڑے پیمانے پر ہجرت ہوئی۔مسلمان ہندوستان سے پاکستان آئے جبکہ ہندوؤں اور سکھوں نے انڈیا کی طرف مہاجرت اختیار کی۔ پاکستان میں رہائش کی فراہمی کا پہلا کام انڈیا سے ہجرت کرکے آنے والے افراد میں متروکہ وقف املاک کی تقسیم تھی۔ یہ سرگرمی 1960ءمیں جا کراختتام پذیرہوئی۔اس سارے معاملے میں واضح بدعنوانیاں رپورٹ کی گئی تھیں۔ بااثرافرادکوغیرقانونی طریقے سے جائیدادیں منتقل کی گئیں۔ بعد میں لوگوں نے ان املاک کو مارکیٹ میں بیچ دیا۔

سرکاری ملازمین کے لیے پبلک ھاؤسنگ: (عوامی رھائشی منصوبے)

1950ءاور1960ءمیں،حکومتی رہائشی پالیسیاں دوبنیادی باتوں پرمشتمل ہوتی تھیں: پبلک سیکٹر میں مکانات کی تعمیراورسروس پلاٹس کی فراہمی۔ یہ ایک اضافی پروگرام تھاجس میں زیادہ زورمکانات کی تعمیراور پلاٹس کی فراہمی پر تھا۔کیونکہ پبلک سیکٹراورمختلف اداروں کی جانب سے تعمیرکردہ گھر بنیادی طور پران کے ملازمین کے لیے ہوتے تھے نہ کہ عام لوگوں کے لیے۔لیکن اس پروگرام اوررہائشی ضرورتوں کے درمیان واضح معنوں میں ہم آہنگی کا فقدان تھا،جس کی وجہ سے یہ رہائشی سکیمیں شہرمیں بغیرکسی منصوبہ بندی اور ماسٹر پلان کے بے ہنگم طریقے سے پھیل گئیں۔

زیادہ اور متوسط آمدنی والے طبقوں کے لیے شھری سھولیات سے آراسته پلاٹس کی فراھمی:

شہری علاقوں میں ترقیاتی اداروں کی جانب سے مختلف رہائشی سکیموں میں سہولیات کے ساتھ پلاٹس کی فراہمی ایک اہم سرگرمی رہی ہے۔لیکن 1950ءاور1960ءمیں ان سکیموں سے امیراورمتوسط طبقے کےلوگوں نے ہی فائدہ اٹھایا۔طلب اوررسد کے درمیان خلا کی وجہ سے شہریسہولتوں سے آراستہ پلاٹس والی سکیمیں ایک نفع بخش کاروبارتھا۔اس حقیقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نجی سیکٹرنے بھی امیراورمتوسط طبقے کے لیےاس طرح کی سکیموں کا اجراءکیا۔

کچی آبادیوں کی بیخ کنی: کچی آبادیوں کا خاتمه

پاکستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں میں کچی آبادیاں موجود ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ روایتی ہاؤسنگ سیکٹر بڑھتے ہوئی گھرانوں کے لیے ان کی استطاعت کے مطابق گھروں کی ضرورت پوری کرنے میں ناکام رہاہے۔ یہ اضافی گھرانے بڑھتی ہوئی شہری آبادی اوردیہی علاقوں سے شہرکی طرف ہونے والی مہاجرت کے مشترکہ اثرات تھے۔ دیہی علاقوں سے شہروں کی طرف مہاجرت نتیجہ تھی دیہی علاقوں میں تعلیم،صحت،روزگاراوروسائل کی کمی کا،جوان کودیہی علاقوں سے دھکیلتی تھی اورشہروں میں معاشی ترقی کی امکانات اورشہری سہولتیں کی موجودگی دیہی علاقوں میں رہنے والوں کوشہرکی طرف کھینچتی تھیں۔1950ءاور1960ءکی دہائی میں شہری منصوبہ سازی کرنے والے اوربیوروکریسی ان آبادیوں گندی اورناپسندیدہ چیزکی طرح دیکھتے تھے۔جس کی وجہ سے کچی آبادیوں کوختم کرنااوران کے رہائشیوں کی کسی دوسری جگہ آبادکاری

کرنا اُن دنوں ان کی اولین ترجیہات میں تھا۔

کچی آبادیوں سے بے دخل ہونے والوں کی آباد کاری کے لیے عوامی رہائشی منصوبے:

کچی آبادیوں کی مسماری کی وجہ سے بے گھر ہونے والے افراد کو آبادی کاری کی جاتی تھی، جس کے لیے پلاننگ اور ترقیاتی اداروں نے ان کی آبادی کاری کے لیے عوامی رہائشی سکیمیں ڈیزائین کئیں۔ یہ سکیمیں زیادہ تر شہر کے مضافات میں بنائی گئیں۔ کچی آبادی کے رہائشیوں کو ان عوامی رہائشی سکیموں میں گھر لینے کے لیے حکومت کی طرف سے طے کردہ رقم ادا کرنی پڑتی تھی۔ لیکن اس طرح کے زیادہ تر پروگرام کم آمدنی والے لوگوں کی پہنچ سے باہر تھے۔

نیوکلیر گھر یا بنیادی مکانات:

عوامی رہائشی سکیموں میں تعمیر شدہ گھر مکمل تیار حالت میں فراہم کئے جاتے تھے۔ تاہم، نیوکلیر گھر یا بنیادی گھر وہ ہوتا ہے جس میں رہائشی پلاٹ میں ایک بنیادی سٹرکچر فراہم کر دیا جاتا ہے، جہاں سے اس گھر میں رہنے والے اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق اس میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ آئیڈیا پالیسی بنانے والوں کو اس لیے پسند آیا کہ ایک تو اس میں حکومت کا خرچہ کم آتا ہے، دوسرا اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کے رہائش کے مسئلے کو حل کیا جاسکتا ہے۔ اس پالیسی کو سب سے پہلے 1950ء کے آخر میں اختیار کیا گیا۔ 1958ء میں کراچی میں حکومت نے آنے والے پندرہ سالوں میں تین لاکھ نیوکلیر گھر بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ابتدائی طور پر کراچی کے دو مضافات نیو کراچی اور کورنگی میں 45 ہزار نیوکلیر گھر بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ تاہم صرف 10 ہزار گھر بنانے کے بعد یہ منصوبہ ملتوی کر دیا گیا۔ جونیجو حکومت نے اپنے دور میں 15 لاکھ گھر بنانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس پروگرام کے پہلے مرحلے 88-1987 کے دوران حکومت 3 لاکھ گھر بنانا چاہتی تھی۔ جس کا بڑا حصہ یعنی 175,000 نیوکلیر گھر تعمیر کیے جانے تھے۔

کم آمدنی والے لوگوں کے لیے سائٹ اینڈ سروس سکیمیں:

1965ء میں کم آمدنی والے لوگوں کے لیے ایک نئی پالیسی سائٹ اینڈ سروسز اختیار کی گئی۔ اس حوالے سے کراچی میں ''پلاٹ ٹاؤن شپ''، میں اس پالیسی پر عمل درآمد کیا گیا۔ پلاٹ ٹاؤن شپ میں کم آمدنی والے لوگوں کو بنیادی سہولیات (سڑکیں، بجلی، پانی اور سیوریج) سے مزین رہائشی پلاٹس فراہم کیے جاتے تھے۔ جہاں پر انہوں نے خود سے گھر تعمیر کرنے ہوتے تھے۔ لیکن یہ پالیسی اتنی کامیاب نہ ہوئی جتنی اس سے امید کی جارہی تھی۔ اس پالیسی کی جزوئی کامیابی کی وجوہات میں پبلک فنڈز کی کمی اور رہائشی سکیموں کا ایسی جگہ ہونا واقع تھا جہاں سے لوگوں کے روزگار کی جگہ دور تھی۔ اس ایک علاوہ ایک اضافی وجہ وہ تعمیراتی معیارات تھے جو رہائشی سکیمیں بنانے والے اداروں نے ان پر لاگو کئے تھے۔ 1960ء کی دہائی کے ختم ہونے تک سائٹ اینڈ سروسز سکیموں کا ہدف امیر اور درمیانے طبقے کے لوگ ہی تھے۔ تاہم پیپلز پارٹی کی حکومت نے متوسط اور کم آمدنی والے افراد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سکیموں میں چھوٹے سائز کے پلاٹس کی فراہمی کی جانب توجہ کی۔

شہر کے مضافات میں زمین کی غیر قانونی تقسیم:

تیزی سے بڑھتی ہوئی رہائشی گھروں کی ضرورت کو پورا نہ کرنے کی سرکاری اداروں کی نااہلی نے نجی سیکٹر کو رہائشی گھروں کی طلب کو پورا کرنے کا موقع فراہم کیا۔ نجی سیکٹر میں موجود سرمایہ کاروں نے شہر کے مضافات میں موجود زمین کے بڑے رقبوں کو درمیانے اور چھوٹے سائز کے پلاٹس میں تقسیم کر دیا۔ پھر ان پلاٹس کو بغیر کسی بنیادی سہولت اور ترقیاتی کام کے کم آمدنی والے خاندانوں کو فروخت کر دیئے گئے۔ شہر کے مضافات میں

سکیموں کی باقاعدہ اجازت لینے کی بجائے ان کی غیر قانونی تقسیم کی ایک وجہ ترقیاتی اور منصوبہ ساز اداروں کا رویہ بھی تھا۔مختلف وجوہات کی بنا پر نجی سیکٹر کی جانب سے رہائشی گھروں کی فراہمی کی جانب سرکاری ترقیاتی اداروں کا رویہ حوصلہ افزاء ہونے کی بجائے روکاوٹ ڈالنے والا تھا۔ان رکاوٹوں میں سخت قسم کے بائی لاز،سکیم کی منظوری میں بیورکریسی کی طرف سے روایتی بے حسی،زیادہ فیس اور مختلف طرح کی ٹیکس شامل ہوتے تھے جو رہائشی سکیموں کے نجی مالکان پر عائد کیے جاتے تھے۔

کچی آبادی کی امپرومنٹ/ بهتری کا پروگرام:

1971ء میں عوامی حمایت کے نتیجے میں جب پیپلز پارٹی اقتدار میں آئی تو ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی پالیسیوں کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ کم سے کم وسائل کا استعمال کر کے کم آمدنی والے طبقوں کو زیادہ فائدہ پہنچایا جائے۔اس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے عوام کے اندر ان کی مقبولیت کو اور بڑھایا جائے۔کچی آبادیوں کے خاتمے کی پالیسی کو ان کی بہتری کے پروگرام میں تبدیل کر دیا گیا۔حکومت نے کچی آبادیوں میں رہنے والے لوگوں کو اپنی کمیونٹی تنظیمیں بنانے میں مدد کی تا کہ وہ اپنی طرز زندگی میں بہتری لا سکیں۔

کچی آبادی کومالکانه حقوق اور بهتری کا پروگرام:

کچی آبادیوں کا مسئلہ 1970ء میں نمایاں ہو کر ملکی سیاست میں سامنے آیا۔تب سے لیکر اب تک کوئی حکومت کچی آبادیوں کے مسئلے کو نظرانداز کرنا برداشت نہیں کر سکی۔بلکہ ہر حکومت کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ کچی آبادیوں پر سرمایہ کاری کے ذریعے عوامی حمایت حاصل کر سکیں۔جون 1977ء میں جب تمام ملک میں سیاسی افراتفری پھیلی ہوئی تھی،وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس صورتحال پر قابو پانے کے لیے کچی آبادیوں کا کارڈ استعمال کیا۔انہوں نے اعلان کیا کہ ملک میں موجود تمام کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو مالکانہ حقوق فراہم کئے جائیں گے۔لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔جب جنرل ضیاالحق نے مارشل لا لگایا تو اس نے پیپلز پارٹی مخالف پالیسیاں اختیار کیں،لیکن کچی آبادیوں کے مسئلہ کو وہ بھی نظرانداز نہیں کر سکا۔ 1978ء میں اس نے اعلان کیا کہ ایسی تمام کچی آبادیاں جن میں گھروں کی کم از کم تعداد 100 ہے اور وہ یکم جنوری 1978ء سے پہلے سرکاری زمینوں پر آباد ہیں ان سب کو مالکانہ حقوق فراہم کئے جائیں گے۔ضیاالحق نے اعلان کیا کہ حکومت ایسی تمام آبادیوں میں فراہمی آب،سیوریج اور بجلی کی سہولیات بھی فراہم کرے گی۔اس کے بعد محمد خان جونیجو کی حکومت نے سوچا کہ اس حوالے سے ضروری ہے کہ ان کی حکومت کی جانب سے کچی آبادیوں کو مزید کچھ آسانی فراہم کی جانی چاہیے۔چنانچہ،وزیراعظم جونیجو نے 7 اپریل 1986ء کو یہ اعلان کیا کہ ایسی تمام کچی آبادیاں جن میں گھروں کی کم از کم تعداد 40 ہو اور وہ سرکاری اراضی پر 23 مارچ 1985ء سے پہلے آباد ہوں ان کو مالکانہ حقوق دیے جائیں گے اور ان کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام بھی کیئے جائیں گے۔

اس پروگرام کے طریقہ کار میں کچی آبادیوں کے رہائشیوں کی شمولیت بھی شامل تھی کہ وہ یہ طے کریں کہ ان کو اپنی آبادیوں میں کس قسم کے ترقیاتی کام کی ضرورت ہے۔اس کے علاوہ اس پروگرام میں کچی آبادیوں میں سہولیات کی فراہمی اور کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو 99 سال کے لیے زمین کی لیز بھی فراہم کرنا شامل تھا۔زمین اور ترقیاتی اخراجات کی مد میں خرچ کی جانے والی رقم رہائشیوں سے وصول کی جاتی تھی۔کچی آبادیوں کی بہتری کے اس پروگرام کے دوران بے گھر ہونے والے افراد کو پلاٹس اور گھر بھی فراہم کیے گئے۔

مفلس اور نادار لوگوں کے لیے زکوۃ فنڈز سے پبلک هاوسنگ:

تمام مسلمان ہر سال اپنی آمدن میں سے کچھ حصہ معاشرے کے نادار افراد کی مدد کے لیے زکوۃ کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ 1970ء کے آخر میں حکومت نے زکوۃ فنڈ قائم کیا۔ اس فنڈ کو معاشرے کے نادار افراد کی بہتری کے لیے استعمال کیا جانا تھا جن میں بیوائیں، یتیم اور معذور افراد شامل تھے، جن کا کوئی ذریعہ آمدن نہ تھا۔ معاشرے کی انتہائی غریب افراد کے لیے مناسب رہائش کی فراہمی زکوۃ فنڈ کے پروگرام کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا۔ چنانچہ، اس پروگرام کے تحت چند گھر بنا کر انتہائی غریب افراد کو بلا معاوضہ فراہم کیے گئے۔ اس حوالے سے جو گھر تعمیر کئے گئے ایک تو وہ تعداد میں بہت کم تھے، چھوٹے گروپس کی شکل میں تعمیر کئے گئے اور یہ مختلف جگہوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس پروگرام کی شاید کوئی مذہبی اور سیاسی اہمیت تو ہو لیکن اس سے رہائش کے مسئلے کو حل کرنے کے حوالے سے یہ پروگرام کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکا۔

ارکان پارلیمنٹ کے فنڈز سے پبلک ہاوسنگ:

1985ء کے غیر جماعتی الیکشن میں کامیاب ہونے کے بعد وزیر اعظم جونیجو نے ایک پانچ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا۔ بے گھر افراد کو مناسب رہائش کی فراہمی اس پانچ نکاتی پروگرام کا ایک اہم حصہ تھا۔ اس پانچ نکاتی پروگرام کو کامیابی سے چلانے کے لیے جو حکمت عملی اختیار کی اس میں سے ایک عوامی نمائندوں کو فنڈز کی فراہمی بھی تھی۔ قومی اسمبلی اور سینٹ میں عوامی نمائندگان کی تعداد 324 تھی، جبکہ چاروں صوبائی اسمبلیوں میں ارکان کی تعداد 506 تھی۔ جونیجو حکومت کی جانب سے ہر قومی اسمبلی اور سینٹ کے رکن کو 50 لاکھ جبکہ صوبائی اسمبلی کے ہر نمائندے کو 30 لاکھ روپے سالانہ فراہم کئے گئے۔ ہر عوامی نمائندے کو مختص کی جانے والی رقم اس کے صوابدیدی اختیار پر تھی کہ وہ اس کو اپنے علاقے میں ہونے والے ترقیاتی کاموں پر خرچ کر سکتا تھا۔ تاہم مختص کی جانے والی رقم کا آدھا حصہ بے گھر افراد کو رہائش فراہم کرنے پر خرچ کرنا تھا۔ اس حکمت عملی کے پیچھے حکومتی سوچ یہ تھی کہ سینٹ، قومی اور صوبائی اسمبلی کے ممبران کسی بھی ترقیاتی ادارے یا ایجنسی سے زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ ان کے علاقے میں کیا مشکلات ہیں اور وہاں کس طرح کے ترقیاتی کاموں کی ضرورت ہے۔ اس لیے ان ممبران سے امید کی گئی کہ وہ ان فنڈز کا بہترین استعمال کریں گے اور علاقے کے لوگوں کے جو فوری مسائل ہیں، ان کو حل کیا جائے گا۔ اس حکمت عملی پر عمل درآمد کے حوالے سے سب سے بڑا مسئلہ جو پیش آیا، وہ مختلف ترقیاتی پروگراموں کے درمیان باہمی تعلق اور شہری سطح پر ماسٹر پلاننگ کا فقدان تھا۔ جس کی وجہ سے اس پروگرام کا عمومی تاثر کچھ زیادہ حوصلہ افزا نہ تھا۔

میرا گھر سیکم:

میاں نواز شریف نے بطور وزیر اعظم اپنی دوسری مدت میں ''میرا گھر سکیم'' کا آغاز کیا۔ اس سکیم کے تحت کثیر المنزلہ اپارٹمنٹ تعمیر کیے گئے۔ یہ سکیم متوسط اور کم آمدنی والے لوگوں کے لیے تیار کی گئی تھی لیکن سکیم بننے کے بعد متوسط اور امیر لوگ ہی ان اپارٹمنٹ خریدنے کی استطاعت رکھتے تھے۔ میاں نواز شریف کے دور میں یہ سکیم ادھوری ہی رہی اور جنرل پرویز مشرف کے دور میں اس سکیم کو مکمل کیا گیا۔ (61)

آشیانہ ہاوسنگ سکیم:

میاں شہباز شریف کے دور حکومت (2012-2008) میں 1320 ایکٹر رقبہ کی آشیانہ ہاؤسنگ سکیم کا اجرا کیا گیا۔ جس میں 3 اور 5 مرلے کے گھر تعمیر کیے گئے۔ جن کی قیمتیں بالترتیب 8 لاکھ 40 ہزار اور 11 لاکھ 90 ہزار رکھی گئیں۔ الاٹمنٹ کی صورت میں لوگوں کو 25% رقم ایڈوانس ادا کرنی تھی جبکہ بقایا رقم دس سالہ اقساط کی صورت میں ادا کرنی تھی۔ حکومتی دعویٰ یہ تھا کہ یہ رہائشی سکیم 20 ہزار سے کم آمدنی والے لوگوں کے لیے ہے۔ شہری ماہرین کا کہنا تھا کہ جن لوگوں کی آمدن 20 ہزار سے کم ہے اور جن کا اپنا گھر نہیں ہے وہ 2 سے 3 لاکھ ایڈوانس اور ماہانہ

4500 سے 7500 قسط کس طرح ادا کریں گے۔ اس کے علاوہ یہ سکیم لاہور سے 22 کلومیٹر دور تھی۔ تو اس سے وہاں کے رہنے والوں کے لیے ملازمت یا کاروبار کے لیے شہر آنے جانے کی صورت میں انکو گھریلو بجٹ پر بھی اچھا خاصہ اثر پڑے گا۔ اس رہائشی سکیم کی تشہیری مہم کے سلسلے میں جو ماڈل گھر دکھائے گئے ان میں گھر کے اندر گاڑی بھی پارک دکھائی گئی۔ جس سے اس سکیم کو تیار کرنے والوں کی ذہانت کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کن لوگوں کو کم آمدنی والا سمجھ رہے ہیں۔ اس سکیم سے بھی زیادہ تر متوسط اور اپر مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے افراد نے ہی فائدہ اٹھایا۔

ظفر اقبال جتالہ ، صدر ، فیڈریشن آف کچی آبادیز پنجاب

میرے آباؤ اجداد کا تعلق تحصیل سمندری، ضلع فیصل آباد سے ہے۔ میرے خاندان کے زیادہ افراد کا تعلق تعلیم کے شعبہ سے تھا۔ قیام پاکستان کے وقت میری عمر سات، آٹھ سال تھی اور میں دوسری جماعت کا طالب علم تھا۔

1956ء میں، میں نے فیصل آباد سے میٹرک کیا اور پھر لاہور آ گیا۔ یہاں میں نے ٹیکنالوجی کالج ریلوے روڈ سے الیکٹریکل میں تین سال کا ڈپلومہ کیا۔ اس کے بعد میں نے مختلف جگہوں پر نوکری کی۔ 71-1970ء میں، مجھے سوئی گیس کے محکمہ میں ملازمت مل گئی۔ جہاں میں نے عرصہ تیس سال ملازمت کی۔ اس دوران مجھے ملک کے مختلف حصوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ جب ذوالفقار علی بھٹو نے 70ء کی دہائی میں روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا تو میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا، کیونکہ میں بھی کچی آبادی کا رہائشی تھا۔ کچی آبادیوں کے حوالے سے ڈاکٹر مبشر حسن، کوثر نیازی اور حنیف رامے نے عوامی رہائشی تنظیم بنائی تو میں بھی اس میں شامل ہو گیا۔ میرے ساتھ رانا عبدالستار بھی لاہور سے شامل ہوئے تھے۔ جو بعد میں فیڈریشن آف کچی آبادی پنجاب، لاہور کے صدر بنے۔ ہم نے تمام کچی آبادیوں میں ایک ایک کمیٹی بنائی، جس میں 17 ممبران تھے۔ جن میں 10 مجلس عاملہ اور 7 عہدیداران (صدر، جنرل سیکریٹری وغیرہ) تھے۔

کچی آبادیوں کے سروے کر کے ان آبادیوں اور متعلقہ محکموں کی فہرست تیار کی گئی۔ زمین کی قیمت اور ترقیاتی کاموں کی مد میں عوامی رہائشی تنظیم نے پیسے لینے شروع کر دیئے۔ لیکن نہ تو کسی کچی آبادی کو NOC ملا اور نہ ہی کوئی نوٹیفیکیشن جاری کیا گیا اور نہ ہی کسی کچی آبادی کو مالکانہ حقوق ملے۔ اس کے علاوہ کچی آبادیوں کے حوالے سے کوئی خاطر خواہ قانون سازی بھی نہیں کی گئی۔ ہم اس دور میں عوامی رہائشی تنظیم میں یہ اعتراض کرتے رہے کہ جب آپ لوگوں کو مالکانہ حقوق نہیں دے رہے تو پھر ان سے پیسے کیوں لے رہے ہیں۔

جب ضیاالحق نے مارشل لاء لگایا تو ہم مارشل لاء انتظامیہ سے جا کر ملے کہ عوامی رہائشی تنظیم نے پیسے تو لے لیے لیکن ہم لوگوں کو مالکانہ حقوق نہیں دیئے گئے۔ انہوں نے پھر B-22 ضابطہ مارشل لاء کے تحت تمام کچی آبادیوں کو ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کو ٹرانسفر کر دیا، جیسے لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (LDA)، فیصل آباد ڈویلپمنٹ اتھارٹی (FDA) وغیرہ۔ لیکن جو پیسہ عوامی رہائشی تنظیم کے پلیٹ فارم سے اکٹھا کیا گیا تھا، وہ ایسے ہی خرد برد ہو گیا۔ نہ تو وہ کچی آبادیوں کے فنڈز میں آیا نہ ہی کسی اور محکمے کے پاس گیا۔ 1979ء میں ہم نے فیڈریشن آف کچی آبادی کی بنیاد رکھی۔

پھر ضیاالحق کے مارشل لاء میں ایک تاریخ مقرر کر دی گئی کہ جو کچی آبادیاں سرکاری زمینوں پر یکم جنوری 1978ء سے پہلے سے آباد ہیں اور ان میں گھروں کی تعداد 100 ہو گی، وہ منظور شدہ کچی آبادی کہلائے گی اور یہ قانون بن گیا۔ سروے ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن جن کچی آبادیوں میں 95 یا 98 گھر بھی تھے، وہاں سروے نہیں کئے گئے۔ ہم نے اس وقت یہ کوشش کی کہ جن کچی آبادیوں میں گھروں کی تعداد 100 سے کچھ کم ہے، ان کو بھی سروے میں شامل کر لیا جائے، لیکن ہماری یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ ضیاء دور میں کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام ہوئے لیکن کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق ضیا دور میں نہ ملے۔

بھٹو صاحب کے دور حکومت میں ان کی تصویر والا ایک سرٹیفیکیٹ / سند مالکانہ حقوق کی جگہ دی گئی، لیکن جب اگلی حکومت آئی تو اس نے اس سند کو ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ مالکانہ حقوق کی دستاویز نہیں ہیں۔ حقیقت میں تھا بھی ایسا ہی کیونکہ نہ تو لوگوں کو الاٹمنٹ لیٹر ملے نہ ہی رجسٹریں ہوئیں۔

10 اپریل 1986ء کو بے نظیر بھٹو پاکستان آ رہی تھیں۔ اس وقت محمد خان جونیجو وزیر اعظم تھے اور اقبال احمد خان وزیر قانون اور لاہور سے ہمارے علاقے سے قومی اسمبلی کے ممبر بھی تھے۔ انہوں نے ہم کو بلایا اور کہا کہ آپ کچی آبادیوں کے لوگوں کو روکیں کہ وہ بے نظیر کے استقبال کے

لیے نہ جائیں۔ہم نے ان سے کہا کہ جب آپ لوگوں نے کچی آبادی کے لوگوں کو کچھ دینا نہیں تو ہم کس بنیاد پر لوگوں کو بے نظیر کے استقبال سے روکیں۔انہوں نے کہا کہ آپ اپنے مطالبات بتائیں۔ہم نے کہا کہ ہمارے مطالبات یہ ہیں کہ کچی آبادیوں میں 100 گھروں کی شرط کی بجائے 20 گھر کیئے جائیں اور جس تاریخ کو آپ یہ اعلان کریں اس تاریخ کو Cut of Date مقرر کردیں۔یہ ہمارے دو بنیادی مطالبات تھے۔اس کے علاوہ ڈویلپمنٹ چارجز اور زمین کی قیمت کے حوالے سے بھی ہمارے کچھ مطالبات تھے۔

وزیر اعظم جونیجو اور انکی کابینہ کی ملاقات ہوئی اور ہمارے مطالبات مان لیے گئے۔انہوں نے 7 اپریل 1986ء کو موچی دروازے پر ایک جلسہ کیا۔انہوں نے ہمیں 200 بسیں دیں کہ اس میں بندے لے کر جلسہ میں آئیں اور جلسہ کامیاب کروائیں۔ہم کچی آبادیوں کے لوگوں سے 200 بسیں بھر کر جلسے میں چلے گئے۔وہاں پر انہوں 40 گھر اور 23 مارچ 1985 کی تاریخ مقرر کرنے کا اعلان کیا جس کو ہم لوگوں نے تسلیم کرلیا۔اس کے علاوہ اگر کچی آبادی کا کوئی رہائشی ترقیاتی اخراجات یکمشت ادا کرے تو اس کو 50% رعائیت اور زمین کی قیمت 172 روپے مرلہ طے کی گئی۔

1992ء تک کچی آبادیوں کے حوالے سے قانون سازی ہوتی رہی جس میں ہم لوگوں نے صوبائی اداروں کے ساتھ مل کر کام کیا۔پھر 1992ء میں پنجاب اسمبلی نے پنجاب کچی آبادی ایکٹ 1992 اور پالیسی پاس کردی۔اس قانون پر 2006ء تک عمل ہوتا رہا۔محمد خان جونیجو کے دور حکومت میں جو کچی آبادیاں ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کی اراضی پر تھیں، پہلے ان کو مالکانہ حقوق دینے کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ اس میں زمین کی ٹرانسفر کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔لیکن جو کچی آبادیاں مسلم اوقاف، ہندو اوقاف، ریلوے، سول ایوی ایشن، واپڈا، وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی اراضی پر تھیں، انکو مالکانہ حقوق نہ مل سکے۔وزیر اعظم جونیجو کے دور حکومت میں انہوں نے بھی قائداعظم کی تصویر لگا کر کچی آبادی والوں کو سندیں جاری کی۔لیکن ان کے دور میں مالکانہ حقوق صرف ڈویلپمنٹ اتھارٹیز کی زمین پر موجود کچی آبادیوں کو ہی ملے۔اس طرح کچی آبادیوں کے مکینوں کے پاس پانچ، چھ تصویروں والی سندیں آگئیں، جو بھی حکومت آئی اس نے اپنی تصویر لگا کر کچی آبادیوں کو سند دے دی کہ یہ مالکانہ حقوق ہیں۔کچی آبادیوں والے یہ سندیں اس لیے لے لیتے تھے کہ چلو حکومت کی جانب سے کوئی دستاویز تو مل رہی ہیں۔

اکتوبر 1999ء میں پرویز مشرف کے آنے کے بعد اور جب پرویز الٰہی پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے تو انہوں نے بھی کچی آبادیوں کے حوالے سے گفتگو شروع کی تو اس وقت میاں عامر لاہور کے ناظم تھے۔جب اخبارات میں میاں عامر اور وزیر اعلیٰ پرویز الٰہی کے کچی آبادیوں کے حوالے سے بیانات آنے شروع ہوئے تو مجھے لگا کہ ان میں کچھ باتیں کچی آبادیوں کے حوالے سے ٹھیک نہیں ہیں تو میں نے اخبارات میں ان باتوں کے خلاف اخبارات میں بیانات دیئے۔میاں عامر نے ہم سے رابطہ کیا اور کہا کہ آپ اخبارات میں ہمارے خلاف کیوں بات کر رہے ہیں۔تو میں نے ان سے کہا کہ جب دو فریقین میں کوئی معاملہ ہوتا ہے تو دونوں فریقوں کی بات سننی چاہیے، جبکہ آپ کچی آبادیوں کے حوالے سے خود ہی فیصلے کر رہے ہیں اور کچی آبادیوں کے نمائندوں کو اس حوالے سے مشاورت میں شامل ہی نہیں کر رہے، تو جو بات ہمیں غلط لگے گی تو ہم اس کے خلاف بات تو کریں گے۔انہوں نے کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ہم نے کہا کہ کچی آبادیوں کے حوالے سے ہونے والے اجلاسوں میں ہم لوگوں کیبھی نمائندگی ہونی چاہیے، کچی آبادی فیڈریشن، پنجاب کے نمائندوں سے بھی مشاورت کی جائے۔ہم لوگ 70ء کی دہائی سے کچی آبادیوں کے حقوق کے حوالے سے کام کر رہے ہیں۔

کچی آبادیوں کے حوالے سے ''اے یو سلیم'' اور جاوید اقبال اعوان، ڈائریکٹر جنرل، کچی آبادی پنجاب نے بہت کام کیا، زیادہ تر کام جاوید اقبال

اعوان کے دور میں ہوا۔ وزیراعلی پرویز الٰہی کے دور میں کچی آبادیوں کے حوالے سے ایک کمیٹی بنادی گئی، جس کے چیئرمین پرویز الٰہی، صوبائی اسمبلی کے رکن عبدالعلیم خان، لاہور کے ناظم میاں عامر محمود اور کچی آبادی فیڈریشن پنجاب سے مجھے بطور ممبر لیا گیا۔ اس طرح ہم تین ممبر میاں عامر محمود، عبدالعلیم خان اور میں اس کمیٹی کی میٹنگز کرتے تھے۔ میں اپنے فیڈریشن کے دوستوں سے مشورہ کر کے جاتا تھا اور وہاں فیڈریشن کی طرف سے موقف پیش کرتا تھا۔

ریلوئے اور سول ایوی ایشن کے حوالے سے کچی آبادیوں کے NOC ہو گئے لیکن ہندوٗ اوقاف کی اراضی پر موجود کچی آبادیوں کے حوالے سے مسئلہ حل نہ ہوسکا۔ کیونکہ 1996ء میں نواز شریف کی حکومت نے ہندوٗ اوقاف کے حوالے سے ایک فیصلہ کیا کہ ہندوٗ اوقاف کی جتنی کچی آبادیاں ہیں انکو اب مالکانہ حقوق نہیں دیئے جائیں گے، بلکہ ان کو 33 سال کی لیز پر وہ اراضی کرائے پر دی جائے۔ ہم نے اس وقت اس فیصلے کے خلاف کافی آواز اٹھائی لیکن ہماری کوئی شنوائی نہ ہوئی اور نواز شریف حکومت نے یہ نوٹیفیکیشن چاروں گورنروں کو بھیج دیا۔ محمد خان جونیجو کے دور حکومت میں ہندوٗ اوقاف کی اراضی پر موجود کچھ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق مل گئے تھے۔ لیکن نواز شریف کے اس فیصلے کے بعد ہندوٗ اوقاف کی اراضی پر موجود کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق ملنے بند ہو گئے۔ ہندوٗ اوقاف کی اراضی پر کل 114 کچی آبادیاں ہیں، جن میں سے 26 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق مل چکے ہیں۔ جبکہ باقی 88 کچی آبادیوں کو کچی آبادی کی فہرست میں سے خارج کر کے ہندوٗ اوقاف کو واپس کر دی گئیں اور کہا گیا کہ ان کو لیز پر دے دیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہندوٗ اوقاف کی اراضی پر جو کچی آبادیاں موجود ہیں، ان میں گھروں کی تعمیر لوگوں نے خود کی ہے۔ لیکن محکمے والے ان لوگوں سے گھروں کا کرایہ مانگتے ہیں۔ لوگوں کا موقف یہ ہے کہ گھر تو انہوں نے خود تعمیر کیئے ہیں، تو محکمہ والے زمین کا کرایہ لیں۔ اس کے علاوہ ہندوٗ اوقاف والے ان سے سال بعد گھر کی مرمت کے نام پر بھی پیسے مانگتے ہیں، جبکہ یہ کام بھی لوگ خود کرواتے ہیں۔ مسلم اوقاف کی 10,11 کچی آبادیوں کو ابھی تک مالکانہ حقوق نہیں ملے۔ وزیراعلی پرویز الٰہی کے دور حکومت میں پنجاب میں تقریباً 900 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دیئے گئے۔ جس میں ریلوئے کی 23 مارچ 1985ء کی 91 کچی آبادیاں تھیں۔ ان میں سے 49 کچی آبادیوں کو پرویز الٰہی کے دور میں مالکانہ حقوق مل گئے۔ 42 کچی آبادیاں باقی رہتی تھیں کہ ان کی حکومت ختم ہو گئی۔ اس کے بعد شہباز شریف کی موجودہ صوبائی حکومت کے دور میں ریلوئے کی ایک کچی آبادی کو بھی مالکانہ حقوق نہیں ملے۔

موجودہ صوبائی حکومت کا فراڈ دیکھیں کہ وزیراعلی میاں شہباز شریف کی صوبائی حکومت کی جانب سے اخبارات میں اشتہار دیئے جارہے ہیں کہ انہوں نے 900 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دیئے ہیں۔ حالانکہ ان کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق پرویز الٰہی کی صوبائی حکومت کے دوران ملے اور اشتہارات یہ دے رہے ہیں، اپنی فوٹو کے ساتھ۔ میاں شہباز شریف کے دور حکومت میں ان لوگوں نے وفاقی حکومت کی زمین پر آباد ایک بھی کچی آبادی کا NOC نہیں لیا، نہ کوئی نوٹیفیکیشن ہوا، نہ کوئی زمین ٹرانسفر ہوئی۔ صرف صوبائی حکومت کی زمین پر آباد کچھ کچی آبادیوں کو نوٹیفیکیشن ہوئے ہیں۔

پرویز الٰہی کے دور حکومت میں ہم نے کچی آبادیوں کی تاریخ 23 مارچ 1985ء سے بڑھوا کر 31 دسمبر 2006ء کروائی اور گھر 40 ہی رہے۔ اس کے بعد ہم نے صوبائی حکومت سے کچی آبادیوں کی نئی تاریخ کے حوالے سے دوبارہ سروے کروائے۔ اس میں آرڈر ہو گیا کہ جتنی کچی آبادیاں صوبائی محکموں کی اراضی پر آباد ہیں، ان کا بک ایڈجسمنٹ کر کے محکمہ ریونیو ان کو رقبے منتقل کرے اور تحصیل میونسپل ایڈمنسٹریشن اور ڈویلپمنٹ اتھارٹیز ان کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دیں۔ تو اس طرح 150 سے 200 کچی آبادیوں کو ایک ہی وقت میں نوٹیفیکیشن ہوتا رہا اور

900 کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق ملے۔ ہربنس پورہ میں 40 کچی آبادیاں وفاقی حکومت کی اراضی پر تھیں۔ وہاں پر میاں افتخار ناظم تھے۔ میاں افتخار نے میاں عامر محمود کی ہدایت پر ہم سے رابطہ کیا کہ ہربنس پورہ کا رقبہ پہلے پرائیویٹ تھا، اب وفاقی حکومت کو چلا گیا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کے انتقال خارج ہورہے ہیں، تو اب کیا کیا جائے۔ ہم نے ان کچی آبادیوں کی فہرست تیار کر کے وہاں ان 40 کچی آبادیوں کا سروے مکمل کروا دیا۔ جب وہ رقبے ٹرانسفر ہونے تھے، NOC ملنا تھا، الیکشن آ گئے اور وہ کام رک گیا۔ اس کے بعد میاں شہباز شریف کی حکومت آ گئی۔ میاں شہباز شریف کی حکومت نے ڈویلپمنٹ اتھارٹیز سے یہ کام لے کر ریونیو کے محکمے کے حوالے کر دیا۔

اسی طرح کنٹونمنٹ بورڈ، لاہور میں 35/36 کچی آبادیاں ہیں۔ میاں میر کالونی بھی اس میں شامل تھی، جس کا میں رہائشی ہوں۔

1992/93ء میں کنٹونمنٹ بورڈ نے لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے جھگڑا کیا کہ آپ ہمارے علاقے میں مداخلت نہ کریں۔ ہم بھی ایک ڈویلپمنٹ اتھارٹی ہیں اور کنٹونمنٹ کے علاقے میں موجود کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام اور مالکانہ حقوق ہم خود دے گے۔

1992/93ء میں کنٹونمنٹ بورڈ لاہور اور لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے مابین ایک میٹنگ ہوئی، ہم لوگ بھی اس میٹنگ میں شریک تھے۔ اس میٹنگ کے دوران یہ فیصلہ ہوا کہ کنٹونمنٹ بورڈ کے علاقے میں موجود کچی آبادیوں کو کنٹونمنٹ بورڈ ہی دیکھے گا۔ لیکن ہم لوگوں نے میاں میر کالونی کو اس میں شامل نہ ہونے دیا۔ چونکہ میاں میر کالونی نمبر 36 کو ہم نے کنٹونمنٹ بورڈ کے پاس نہ جانے دیا اور یہ لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے پاس رہی۔ اس لیے اس آبادی میں تو ہم نے لوگوں کو NOC دلوا کر حقوق ملکیت کی رجسٹریاں دلا دیں، حالانکہ اس کالونی میں ریلوے اور دیگر محکموں کی اراضی بھی شامل تھی۔

ہم لوگ کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی کو خط لکھ لکھ کر تھک گئے ہیں کہ جناب ان کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دیں، کیونکہ آپ کے ساتھ یہی طے پایا تھا۔ کنٹونمنٹ بورڈ، لاہور میں موجود کچی آبادیوں میں ترقیاتی کام تو صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبران کے فنڈز سے ہو جاتے ہیں، تھوڑا بہت کام کنٹونمنٹ بورڈ لاہور نے بھی کروایا ہے۔ ان کچی آبادیوں کے سروے بھی ہو چکے ہیں لیکن مالکانہ حقوق آج تک نہیں مل سکے۔

میاں شہباز شریف کی صوبائی حکومت کے دوران انہوں نے صرف یہ کیا کہ کچی آبادیوں کی تاریخ 31 دسمبر 2006 سے بڑھا کر 31 دسمبر 2011 کر دی، تا کہ ان کو کچھ کریڈٹ مل سکے۔ جو کچی آبادیاں 2006ء کے سروے میں آئیں تھیں، ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ اب یہ دوبارہ سروے کروا رہے ہیں۔ لیکن یہ صرف الیکشن کی وجہ سے ہے، کیونکہ اگلا سال الیکشن کا ہے۔ اب پوزیشن یہ ہے کہ جو کام کرنے کے تھے کہ NOC ملے، رقبے ٹرانسفر ہوں، مالکانہ حقوق ملیں وہ تو ہو نہیں رہا۔

دوسرا انہوں نے یہ کیا کہ کچی آبادیوں میں جو لوگ کمرشل پراپرٹی استعمال کر رہے ہیں۔ اس میں ایک شق یہ رکھ دی کہ جو پراپرٹی مکمل طور پر کمرشل کے طور پر استعمال ہو رہی ہے تو اس سے DC ریٹ پر کمرشل قیمت وصول کی جائے اور اگر وہ نہیں دے سکتا تو اس کو نیلام کر دیا جائے۔ لیکن اس میں مسئلہ یہ ہے آپ زمین کو تو نیلام کر سکتے ہیں مگر پراپرٹی کو نہیں کیونکہ زمین اور پراپرٹی میں فرق ہے۔ زمین علیحدہ چیز ہے جبکہ اس پر موجود عمارت پراپرٹی ہے۔ لیکن انہوں نے اس سارے کو پراپرٹی قرار دے دیا جو زیادتی ہے۔ کیونکہ حکومت خالی پلاٹ تو نیلام کر سکتی ہے لیکن اگر اس پر کوئی سٹرکچر موجود ہے تو وہ حکومت کس طرح نیلام کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ سٹرکچر حکومت نے تو نہیں بنایا، وہ تو اس رہائشی نے بنایا ہے جو وہاں رہ رہا ہے۔ ہم نے اس حوالے سے حکومت پنجاب کو خط بھی لکھے لیکن ہمیں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

اب صورتحال یہ ہے کہ کنٹونمنٹ بورڈ لاہور کی ساری کچی آبادیوں کو ابھی تک مالکانہ حقوق نہیں ملے، ہنود اوقاف کی کچی آبادیاں رہتی ہیں۔ اب

ملک میں ایک ہی چیز کے لیے دو قانون تو نہیں ہونے چاہیے کہ ہندو اوقاف کی 26 کچی آبادیوں کو تو آپ مالکانہ حقوق دے دیئے جائیں اور باقی 88 کچی آبادیوں کو آپ کہیں کہ لیز پر لے لیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔اسی طرح مسلم اوقاف میں بھی پانچ، چھ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دے دیئے ہیں اور باقی کچی آبادیوں کو کہہ رہے ہیں کہ کرایہ پر لے لیں، لیز پر لے لیں۔ یہ دوغلی پالیسی ختم ہونی چاہیے۔ پنجاب میں 900 کچی آبادیوں کی نشاندہی کی جا چکی ہے (کونوٹی فائی کیا جا چکا ہے)، جن میں 2,25,176 خاندان رہ رہے ہیں۔جن میں سے 99,080 خاندانوں کو رجسٹریاں مل چکی ہیں۔اسی طرح 16 جنوری سے 3 فروری 2012 کے دوران کچی آبادیوں کے حوالے سے ہونے والی مہم کے نتیجے میں 12,740 خاندانوں کو مالکانہ حقوق مل گئے ہیں۔

لاہور میں درج ذیل کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق ملنا ابھی باقی ہے۔

ہندو اوقاف، لاہور ۔ 46

ریلوئے ۔ 36

کنٹونمنٹ بورڈ، لاہور۔ 35

مسلم اوقاف، لاہور ۔ 10

ہربنس پورہ، وفاقی حکومت ۔40

اس کے علاوہ مختلف صوبائی اداروں کی اراضی پر موجود ۔ 100

زاھد انجم : صدر آل پاکستان کچی آبادی الائنس

میرے والدین نے 1947ء میں ہندوستان سے اتر پردیش کے علاقے شاہ جہاں آباد سے پاکستان ہجرت کی تھی۔جن لوگوں نے ہندوستان سے پاکستان ہجرت کی تھی ان میں تین طرح کے لوگ تھے، بہت امیر، مڈل کلاس اور غریب لوگ۔امیر لوگوں کو تو یہاں اتنا مسئلہ نہیں ہوا، مڈل کلاس کے افراد نے بھی یہاں اپنا کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیا۔لیکن جو غریب لوگ تھے وہ پاکستان بہت سے خواب لے کر آئے تھے کہ یہاں کاروبار ہوگا، انصاف ہوگا، غریب آدمی کی سنی جائے گی۔لیکن جب وہ پاکستان آئے تو انہیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔میرے والد واپڈا میں ملازم تھے۔میرے والدین 1965ء تک کرائے کے گھروں میں رہتے رہے۔1965ء میں میرے والد نے 200 روپے میں درس بڑے میاں میں ایک خستہ حال جھونپڑی خرید لی۔میں 1958ء میں اسی کچی آبادی میں پیدا ہوا تھا۔میں نے اسی کچی آبادی میں اپنا بچپن اور جوانی گذاری۔اس کچی آبادی میں کوئی منصوبہ بندی نہ تھی۔دو گھر اس طرف بن گئے تو دو گھر اس طرف بن گئے۔وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔اضافہ اس طرح ہوا کہ لینڈ مافیا زمین پر قبضہ کر کے اس پر گھر بناتے اور بیچ دیتے۔لیکن اس سارے معاملے میں ریلوئے انتظامیہ ملوث تھی۔لینڈ مافیا جب گھر بنا کر بیچ دیتے تھے تو ریلوئے انتظامیہ بعد میں اس کو آ کر گرا دیتی تھی۔لیکن اس سب کے باوجود لوگ آتے رہے اور آبادی بڑھتی گئی۔

اس کے بعد 1968ء میں ایک سیاسی لہر آئی اور پیپلز پارٹی کا نام سامنے آنے لگا۔اس وقت میں سکول میں پڑھتا تھا اور میرے استاد کہتے تھے کہ بھٹو غریبوں کا لیڈر رہے۔ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کی وزارت خارجہ سے مستعفی ہونے کے بعد موچی دروازے میں جو پہلا جلسہ کیا تھا میں

اس کو سننے گیا تھا۔ مجھے اس وقت پیپلز پارٹی اور بھٹو صاحب کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا لیکن میرے استاد کہتے تھے کہ بھٹو غریبوں کا لیڈر ہے تو میں غریبوں کے لیڈر کو دیکھنے موچی دروازے چلا گیا تھا۔ کیونکہ ہمیں احساس تو تھا کہ ہم غریب ہیں۔ پیپلز پارٹی کے نعرے ''روٹی کپڑا اور مکان'' نے عام آدمی کو بہت متاثر کیا تھا۔ ہم لوگوں نے سوچا کہ اگر یہ پارٹی اقتدار میں آ گئی تو ہمارے مکان ''پکے'' ہو جائیں گے۔ اس سیاسی لہر سے پیپلز پارٹی نے فائدہ اٹھایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پیپلز پارٹی کی حکومت آنے کے بعد کچی آبادیوں کو استحکام حاصل ہوا۔ استحکام ان معنوں میں کہ ہمارے علاقے سے پیپلز پارٹی کا صوبائی اسمبلی کا ممبر تھا بابا رفیق۔ اس نے کہا کہ جو تمہارے گھر گرانے کے لئے آئے تو اس کی ٹانگیں توڑ دینا، میں دیکھ لونگا۔ اسی دوران کچی آبادی کے مالکانہ حقوق کے حوالے سے پولیس سے لڑائیاں بھی ہوئیں، پرچے بھی ہوئے ہمارے خلاف لیکن معاملات رفع دفع ہو گئے۔ بھٹو صاحب کی حکومت ختم ہونے اور مارشل لاء لگنے کے فوری بعد اخبار میں اشتہار آ گیا کہ سات دنوں کے اندر اندر گھر خالی کر کے ملبہ اٹھا لو ورنہ گھروں کا ملبہ بھی ضبط کر لیا جائے گا۔ ہم کافی پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا ہے، اب کیا کریں۔ ہم لوگوں نے ایک پریس کانفرنس کی کہ اگر ہمارے گھر مسمار کئے گئے تو ہم سڑکوں پر نکل آئیں گے۔ اس کے بعد ہم نے ایک مظاہرہ بھی کیا۔ اس وقت مارشل لاء جب نیا نیا لگا تھا تو کوئی مظاہرہ کرنا نہایت مشکل کام تھا۔ کہ اگر پولیس نے پکڑ لیا تو کوڑے وغیرہ بھی پڑ سکتے ہیں۔ لیکن ہم نے کہا کہ جو بھی ہو ہم اپنے گھر بچانے کے لیے کچھ بھی کریں گے۔

ہمارے ساتھی ایوب غوری، بشیر قادری وغیرہ کو پولیس پکڑ کر مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر کے سامنے لے گئی، اس نے ان سے کہا کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔ تو ہمارے لوگوں نے کہا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں، مارشل لاء حکومت نے آتے ہی بے دخلی کے اشتہار دے دیئے ہیں۔ یہ سیاسی معاملہ نہیں ہے، یہ رہائشی معاملہ ہے۔ مارشل لاء ایڈمنسٹیٹر نے ریلوے انتظامیہ کو بلا لیا اور ان سے کہا کہ ایک اشتہار جاری کرو کہ کسی کا گھر نہیں گرایا جائے گا۔ کچی آبادیوں کے حوالے سے بہت زیادہ دباؤ بن گیا تھا۔ دوسرا ضیاء کی مارشل لائی حکومت بھی یہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگ سڑکوں پر آئیں۔ تا کہ پیپلز پارٹی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ وہ ہمارے ہمدرد نہیں تھے لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ کچی آبادیوں والا مسئلہ سیاسی شکل اختیار کرے۔ اس طرح ریلوے انتظامیہ کی جانب سے اشتہار جاری کر دیا گیا کہ کسی کا گھر نہیں گرایا جائے گا اور جلد لوگوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد حکومت نے جنرل انصاری کو ایل ڈی اے کا ڈائریکٹر جنرل لگا دیا۔ جنرل انصاری نے کچی آبادیوں کا وزٹ کیا اور مختلف ترقیاتی کام بھی کروائے۔ تا کہ لوگوں اپنے گھروں کو لے کر جو بے چینی پائی جاتی ہے وہ کم ہو۔ کیونکہ ضیاء کی حکومت بھی جانتی تھی کہ کچی آبادیوں کا ایک بڑا حصہ پیپلز پارٹی کا ووٹ بنک تھا اور حکومت اس کو توڑنا چاہتی تھی۔ سیاسی طور پر ہم لوگ پیپلز پارٹی کے ساتھ تھے۔

پھر 1985ء کے غیر جماعتی الیکشن ہو گئے اور محمد خان جونیجو وزیر اعظم بنے۔ بے نظیر بھٹو نے 10 اپریل 1986ء کو لاہور آنا تھا۔ مارچ میں حکومت کا یہ اندازہ تھا کہ کچی آبادیوں کے لوگ بے نظیر کے استقبال کے لیے جائیں گے۔ ہمارے علاقہ سے قومی اسمبلی کے ممبر اقبال احمد خان نے ہم لوگوں سے کئی ملاقاتیں کی اور ہمیں کچی آبادیوں کے حوالے سے مختلف طرح کی ترغیبات دیں۔ پھر 23 مارچ 1985ء کا قانون بن گیا کہ جو لوگ سرکاری اراضی پر 23 مارچ 1985ء سے پہلے سے آباد ہیں اور وہاں گھروں کی تعداد 40 ہو گی، ان کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے۔ یہ اعلان بے نظیر کی پاکستان آمد پر دباؤ کے نتیجے میں کیا گیا۔ لیکن بے نظیر کا استقبال ہوا اور خوب ہوا۔ بہر حال یہ کچی آبادیوں کے حوالے سے ایک اچھا اقدام تھا۔ جس کی وجہ سے کچی آبادیوں میں رہنے والوں پر بے دخلی کا دباؤ کافی حد تک کم ہو گیا۔

اس کے بعد 1989ء میں وفاق میں بے نظیر کی حکومت آ گئی جبکہ پنجاب میں نواز شریف کی حکومت بنی۔ اکتوبر 1999ء میں نواز شریف کی

حکومت کے خاتمے تک کے عرصہ میں کچی آبادیوں کے حوالے سے کچھ زیادہ پیش رفت نہ ہوئی لیکن ان تمام ادوار میں کچی آبادیوں کے مکینوں کو حکومتوں کی جانب سے زیادہ تنگ نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے۔ انہوں نے مختلف طرح کی سندیں نکال دیں۔ کسی پر نواز شریف کی تصویر تو کسی پر بے نظیر کی تصویر لگا کر کہا کہ یہ مالکانہ حقوق کی دستاویز ہیں۔ لیکن نہ کوایل ڈی اے کو کوئی زمین ٹرانسفر ہوئی، نہ کوئی رجسٹری ہوئی نہ کوئی انتقال ہوا۔ سب قصے کہانیاں تھیں۔

اکتوبر 1999ء میں مشرف کے آنے کے بعد اس نے بھی کچی آبادیوں کے حوالے سے اسی طرح کے اقدامات اٹھانے شروع کر دیئے جس طرح ضیاالحق نے کیا تھا۔ جاوید اشرف قاضی ریلوے کا وزیر بنا۔ اس نے کہا کہ ہم ریلوے کی اراضی پر قابض لینڈ مافیا کو نہیں چھوڑیں گے۔

فروری 2000ء میں کچی آبادیوں کے خلاف آپریشن شروع ہوا۔ اور ان میں ریلوے کی وہ کچی آبادیاں بھی شامل تھیں جہاں سے میں دو مرتبہ 1987ء اور 1992ء کونسلر کا الیکشن جیت چکا تھا۔ جب مجھے آپریشن کا پتہ چلا تو میں وہاں پہنچ گیا۔ وہ میرا حلقہ انتخاب تھا۔ جب میں وہاں پہنچا میجر بشیر مروت، AC کینٹ خالد شیر، علاقہ مجسٹریٹ میاں لئیق بلڈوزر لے کر وہاں موجود تھے اور 5,6 گھر گرا چکے تھے۔ عورتیں، بچے رو رہے تھے اور ان لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر رحم کی استدعا کر رہے تھے۔ بہت بری صورتحال تھی۔ میں نے سب سے پہلے علاقہ مجسٹریٹ سے جا کر بات کی کہ برائے مہربانی لوگوں کو دو دن کی مہلت دے دیں، اگر ہم آبادی کے خلاف جاری آپریشن نہ رکوا سکے تو ہم خود اپنے گھروں کا ملبہ اٹھا لیں گے۔ تو اس نے مجھے کہا کہ آپ AC کینٹ خالد بشیر سے بات کریں۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ میجر صاحب سے بات کریں۔ میں میجر کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے بات کرنے کی بجائے بلڈوزر والے سے پشتو میں کہا کہ تم کس کا انتظار کر رہے ہو کہ کوئی سفارش لے کر آئے گا، جلدی کرو اور گھر گراؤ۔ میں نے دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم کھڑا ہے اور بول کوئی نہیں رہا۔ تو میں نے سوچا چلو ایک رسک لے کر دیکھتا ہوں۔ میں نے لوگوں کے ہجوم کی جانب جا کر ایک مختصر سی جذباتی تقریر کی تو لوگ میری جانب آنا شروع ہو گئے۔ میں نے کہا کہ اس ظلم کے خلاف پہلی میں مارتا ہوں۔ یہ سن کر وہاں موجود پولیس کی نفری میں سے ایک اے ایس آئی اکبر میری طرف بڑھا، وہ مجھے جانتا تھا۔ میں نے اینٹ اٹھا کر اس کو دے ماری۔ اس ایک اینٹ کے لگنے کی دیر تھی کہ وہاں پر موجود لوگوں نے اینٹیں اٹھا کر مارنا شروع کر دیں، ایسا لگتا تھا اینٹوں کی بارش شروع ہو گئی ہو۔ بس پھر کیا تھا انتظامیہ بھاگ کھڑی ہوئی اور سب سے آگے میجر بھاگ رہا تھا۔ پولیس نے ہوائی فائرنگ اور آنسو گیس کے شیل مارے لیکن انتظامیہ حالات کنٹرول کرنے میں بری طرح ناکام رہی۔۔ اس حوالے سے اگلے دن جنگ اخبار میں خبر بھی لگی۔ اس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ انتظامیہ اس طرح باز نہیں آئے گی۔ اس کے لیے لوگوں کو مزاحمت کرنی پڑے گی۔ اسی طرح دوسرا آپریشن باجا لائن اور تیسرا آپریشن جی ٹی روڈ پر ایک کچی آبادی کے خلاف ہم نے آپریشن رکوایا۔ اسی دوران ایک ہفتے میں میرے خلاف MPO-16 کے تحت تین پرچے درج کروائے گئے۔

عمر اصغر خان اس وقت مشرف حکومت میں لوکل گورنمنٹ اور دیہی ترقی کے وفاقی وزیر تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، میں بھی وہی چاہتا ہوں۔ میں کبھی بھی آپ کو ایجی ٹیشن سے نہیں روکونگا۔ کیونکہ آپ کے پاس یہی ایک ہتھیار ہے۔ آپ کی جو بھی مطالبات ہیں میں وہ مشرف تک لے جاؤنگا اور اس کو آپ کے موقف کے حوالے سے بات سمجھانے کی کوشش کرونگا۔ لیکن اگر آپ نے اس ایجی ٹیشن کو صرف لاہور تک محدود رکھا تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ آپ اپنی اس تحریک کو پورے پاکستان میں پھیلا دیں۔ اللہ اس کی مغفرت کرے یہ آئیڈیا اس نے ہمیں دیا۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے کراچی، کوئٹہ، راولپنڈی اور دیگر شہروں میں موجود کچی آبادیوں کے نمائندوں سے رابطے

کیے۔اس حوالے سے عاصم سجاد اختر نے بھی ہماری کافی مدد کی۔اس طرح 2000ء میں ''آل پاکستان کچی آبادی الائنس'' کا قیام عمل میں آیا۔ میں اس کا پہلا صدر اور عاصم سجاد اختر چیئرمین بنے۔اس کا پہلا کنونشن لاہور پریس کلب میں رکھا۔دوسرا کنونشن راولپنڈی اور پھر اسلام آباد پریس کلب میں ایک کنونشن کیا۔جس دن اسلام آباد میں ہمارا کنونشن ہورہا تھا۔اس کراچی میں کچی آبادیوں کے خلاف آپریشن کردیا گیا۔جب ہمیں اس کا پتہ چلا تو ہم نے اسلام آباد سکٹر یریٹ کو جا کر بلاک کردیا اور سیکٹر یریٹ کے گیٹ پر وائر لاک لگا کر اس کو بند کردیا۔اسلام آباد کی پچھلی طرف بری امام کے پاس مسلم کالونی کچی آبادی تھی۔وہاں سے کافی لوگ آ گئے۔کنونشن پر پہلے سے ہی لوگ موجود تھے،تو کافی بھرپور ایجی ٹیشن ہوا۔ انتظامیہ نے مذاکرات کے لیے عمر اصغر خان کو بلالیا۔اس نے مجھ سے کہا کہ ہمیں ایک ہفتے کا وقت دے دو۔پھر انہوں نے 2001ء میں کچی آبادی قومی پالیسی بنائی۔مشرف نے اس کا علان کیا۔مشرف نے کہا کہ کسی کا گھر مسمار نہیں کیا جائے گا۔اور اگر کسی کا گھر گرانے کی ضرورت ہوئی تو ایک کمیٹی بنائے جائے گی جس میں علاقہ کے لوگ اور صحافی شامل ہونگے۔میں مشرف دور میں 16 مرتبہ جیل گیا ہوں۔لیکن اب مشرف کی بہت سی پالسیاں اچھی لگتی ہیں۔

2002ء کے جنرل الیکشن ہوئے تو ہمارے علاقے سے ضمنی الیکشن میں علیم خان،مسلم لیگ(ق) کی طرف سے کھڑا ہوا۔جس وقت علیم خان الیکشن لڑ رہا تھا،اس وقت میاں عامر محمود،لاہور کے ناظم تھے۔انہوں نے ہمیں بلایا اور کہا کہ آپ لوگ اس الیکشن میں ہماری حمایت کریں۔میں نے ان سے کہا کہ ہم لوگ آپ کی حمایت کیوں کریں۔آپ ہمارے گھر گرائیں،ہم کو بے گھر کریں۔ہم آپ کی حمایت نہیں کریں گے۔تو میاں عامر محمود نے کہا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟میں نے کہا کہ آپ ہمارے علاقے کی کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دلادیں،NOC لا کردیں،ہماری زمین LDA کو ٹرانسفر کروائیں،تب ہم اس الیکشن میں آپ کی حمایت کریں گے ورنہ ہم کے نمائندے کو ووٹ نہیں دیں گے۔

تو میاں عامر محمود نے کہا کہ اگر آپ کو NOC مل جائے تو ہمیں ووٹ دیجیے گا ورنہ آپ جس کو چاہیں ووٹ ڈالیے گا۔میاں عامر نے کہا کہ ہم نے انتخابی مہم ختم ہونے سے تین دن پہلے ہم نے ریلوئے کیرج شاپ میں ایک جلسہ رکھا ہے،وہاں اس دن اور بھی حکومتی وزیر ہونگے۔آپ اس جلسے میں سٹیج پر آ کر ہماری حمایت کا اعلان کریں،آپ کو NOC مل جائے گا۔ہم نے کہا کہ میاں صاحب اس طرح سے نہیں ہوسکتا،پہلے آپ ہمیں NOC دیں،ہم اس کی تصدیق کروائیں گے،تبھی آپ کی حمایت کریں گے۔میاں عامر نے کہا کہ ہم نے اس جلسہ میں NOC دینے کا پروگرام بنایا ہے،آپ وہاں آجائیں۔ہم نے ان سے کہا کہ آپ جو کرنا چاہتے ہیں کریں،ہم لوگ اس جلسہ میں نہیں آئیں گے۔جب تک ہم لوگوں کو NOC نہیں ملتا اور ہم اس کی تصدیق نہیں کروالیتے بات آگے نہیں بڑھے گی۔کچھ دن بعد انہوں نے ہمیں ایک NOC لا کر دے دیا۔ ہم کچی آبادی الائنس کے نمائندے وہ NOC لے کر ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی کے آفس چلے گئے۔اُس وقت جاوید اقبال اعوان ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی کے سربراہ تھے۔

ہم لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اس NOC پر دستخط کریں کہ یہ NOC صحیح ہے۔وہ مجھے ایک طرف لے گئے اور کہنے لگے کہ زاہد یہ NOC درست نہیں ہے۔یہ الیکشن کے لیے شعبدہ بازی ہے۔میں اس پر دستخط نہیں کرسکتا ورنہ میں پھنس جاؤ نگا۔ہم لوگوں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے اٹھ کر آ گئے۔انتخابی مہم کا آخری دن تھا۔میں نے اس دن ریلوئے کی مختلف آبادیوں میں چھ جلسے کئے اور لوگوں کو بتایا کہ یہ NOC جعلی ہے۔اس لیے لوگ علیم خان کو ووٹ نہ ڈالیں۔رات کے دو بجے مجھے میاں اخلاق گڈو کا فون آ گیا کہ زاہد صاحب یہ آپ نے کیا کردیا۔اب تو ہمارے پاس وقت بھی نہیں ہے۔میں نے ان سے کہا کہ میاں صاحب ان لوگوں کے ساتھ یہی کچھ ہونا چاہیے تھا۔میاں اخلاق گڈو نے کہا کہ

میں آپ سے اسی وقت ملنا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ صبح ملاقات کر لیتے ہیں۔ لیکن میاں اخلاق گڈو نے کہا کہ نہیں آپ سے ابھی ملاقات کرنی ہے۔ میں نے انہیں اپنے ایک دوست کے گھر بلا لیا اور ہم لوگ بھی وہاں اکٹھے ہو کر پہنچ گئے۔ اس ملاقات میں میاں اخلاق گڈو، میاں عامر محمود علیم خان کے والد عبدالرحیم خان اور کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ خان صاحب الیکشن کے ایک ہفتے بعد ہم آپ لوگوں کو NOC دلوا دیں گے۔ میں نے کہا کہ جو NOC الیکشن سے پہلے نہیں مل رہا وہ بعد میں کیسے ملے گا۔ میاں عامر محمود نے ہمیں کہا تھا کہ اگر آپ کو NOC نہ ملا تو آپ ہمیں ووٹ نہ ڈالیے گا۔ اس لیے ہم آپ کے نمائندے کی بھرپور مخالفت کریں گے۔ یہ لوگ آپس میں مشورہ کرنے لگے، صبح کی اذان ہو گئی۔ میاں عامر محمود نے ان لوگون سے کہا کہ اگر ان لوگوں کی حمایت ہمیں نہ ملی تو ہم الیکشن ہار جائیں گے۔ یہ ہوتی ہے عوام کی طاقت۔ ان لوگوں نے ضمنی الیکشن ملتوی کروا دیئے۔ میاں عامر محمود اور علیم خان اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ وہاں سے NOC لے کر آ گئے اور مجھے کہا کہ آپ جس سے چاہئیں اس کی تصدیق کروالیں۔ ہم وہ NOC لے کر ایک بار پھر ڈائریکٹوریٹ جنرل کچی آبادی جاوید اقبال اعوان کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا کہ NOC صحیح ہے میں اس پر دستخط کر دیتا ہوں۔ لیکن ہم نے کہا کہ اب ہم کو آپ پر بھی اعتبار نہیں، ہوسکتا ہے اُن لوگوں نے آپ پر کوئی دباؤ ڈالا ہو۔ ہم لوگوں کا کیس عدالت میں چل رہا تھا اور حنا جیلانی ہماری وکیل تھی۔ ہم نے ان سے مشورہ کیا، تو انہوں نے کہا کہ آپ ان سب کو پارٹی بنا کر لے آئیں اور یہ ہائی کورٹ میں آ کر بیان دیں کہ NOC مل گیا ہے اور ہم مالکانہ حقوق دینے لگے ہیں اور اب ان کچی آبادی والوں سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تو جاوید اقبال اعوان اور ریلوے کے لینڈ آفیسر خالد صاحب نے عدالت میں جا کر اپنے بیانات دیئے۔ اس طرح ہم لوگوں کو مالکانہ حقوق ملے۔ یہ ہوتی ہے عوام کی طاقت، اگر لوگ آپس میں متحد ہو جائیں اور اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کریں تو لوگوں کے کافی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر مبشر حسن،

عوامی رہائشی تنظیم کا پس منظر یہ ہے کہ جب ہماری حکومت بنی اس وقت لاہور میں 120 کچی آبادیاں تھیں اور اُن کا پس منظر یہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد جب انڈیا سے مسلمان ہجرت کر کے یہاں لاہور آئے تو ان میں سے جو کم آمدنی والے لوگ تھے انہیں شہر کے گردونواح میں یا بعض دفعہ ہندوؤں، سکھوں کی چھوڑی ہوئی زمین پر جگہ مل گئی اور وہاں انہوں نے اپنے کچے پکے گھر بنا لیے۔ تو اس وقت آٹھ آنے، روپیہ، دو روپیہ زمین کا کرایہ تھا۔ ان جگہوں پر اکثر اوقات بجلی، پانی اور سڑک کی سہولت نہیں ہوتی تھی۔ تو یہ کم آمدنی والے لوگ ایسی جگہوں پر رہتے تھے۔ 1972ء میں جب ہماری حکومت آئی تو ان لوگوں کی شکایات ہمارے سامنے آئیں۔ ہماری حکومت آنے کے بعد معیشت اچھی ہونے لگی تو زمین کی قیمتیں بھی بڑھنے لگیں۔ جب زمین کی قیمتیں بڑھیں تو زمین کے مالکان نے ان لوگوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ جگہیں خالی کرو تا کہ ہم زمین بیچیں۔

تو ہم نے سوچا کہ کیا کیا جائے؟ تو ہم نے کچی آبادیوں کی کمیٹیاں بنا دیں۔ 120 کے قریب کچی آبادیوں میں ہر جگہ کمیٹی بن گئی۔ تو پھر ہم نے سوچا کہ ان کے لیے زمین کس طرح لی جائے۔ کیونکہ کم آمدنی والے لوگوں کی رہائش کا جو مسئلہ ہے اس میں سب سے بڑی رکاوٹ زمین کا حصول ہے۔ تو لاہور میں اشرافیہ سے زمین حاصل کرنا حکومت کے لیے بھی بڑا مشکل کام تھا۔ سارے پٹواری، خان گو اور افسران لوگوں سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرا اس زمین کی قیمت بھی ایک اہم مسئلہ تھا۔ تو میں نے گورنر غلام مصطفیٰ کھر کے لیے ایک نیا قانون بنایا **The Punjab Acquisition of Land (Housing) Act 1973** کہ کس طرح جلد اور سستی زمین لی جا سکے۔ مزید یہ کہ نہ صرف زمین لی جا سکے بلکہ اس پر جو مکان وغیرہ ہیں وہ بھی لیے جا سکیں اور اس علاقے میں ہونے والے ترقیاتی کام بھی کوئی انجمن سنبھال سکے۔

اس قانون کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کہ اگر کم آمدنی والے لوگوں کی بستی کے لیے زمین لی جائے تو اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت 2500 روپے فی ایکڑ ہوگی۔ ایک ایکڑ میں آٹھ کنال اور ایک کنال میں 20 مرلے، یعنی 160 مرلے زمین کی قیمت 2500 روپے۔ میں اس وقت لاہور پیپلز پارٹی لاہور کا چیئرمین تھا اور مجھے اس حوالے سے پارٹی کی حمایت حاصل تھی۔ میں نے یہ قانون بنا کر گورنر غلام مصطفیٰ کھر کو دے دیا اور اسے کہا کہ تم اسکو آرڈیننس بنا دو لیکن اس کو لاء ڈپارٹمنٹ میں نہ بھیجنا۔

تو مصطفیٰ کھر نے کہا کہ پھر میں کیا کروں، مجھے تو کسی وکیل سے مشورہ کرنا پڑے گا۔ میں نے کہا کہ میں یہ وکیل کو دکھا دیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ میں ایڈووکیٹ جنرل کو بلا لیتا ہوں۔ ایڈووکیٹ جنرل بھی آ گیا وہ بھی کم آمدنی والے لوگوں کا حمایتی تھا تو اس نے کہا کہ جناب یہ قانون بالکل ٹھیک ہے۔ تو ہم نے یہ ایکٹ جاری کروا دیا۔

بعد میں ضیاالحق نے اس ایکٹ میں کچھ تبدیلیاں کر دیں۔ لیکن پورے لاہور میں جو کچی آبادیوں کا پھیلاؤ ہے، وہ اس ایکٹ کی وجہ سے ہی ممکن ہوا تھا۔ پھر جب نواز شریف کی حکومت آئی تو اس نے کہا کہ زمین مالکان سے یہ بڑی زیادتی ہے، کیونکہ ہم تو ایک طرح سے زمین مفت ہی لے رہے تھے۔

لاہور کے ایک بہت بڑے لینڈ لارڈ تھے، انکی زمین شالامار باغ کے سامنے تھی۔ وہ ہم نے تھوڑی سی قیمت پر لے لی اور وہاں کم آمدنی والے لوگوں کو گھر بنا کر دے دیئے۔ تو بنیادی بات یہ تھی کہ آبادی کو زمین کی ملکیت لے کر دی جا سکتی تھی اور اس کے لیے ہم نے ''عوامی رہائشی تنظیم'' رجسٹرڈ کروائی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آبادی کو کچی آبادی قرار دے دیا جائے گا اور جب وہ کچی آبادی قرار پا جائے تو پھر وہاں زمین لینے کی کاروائی شروع ہو سکے گی۔ آخری ڈیکلریشن حنیف رامے، وزیر اعلی پنجاب نے کیا تھا۔ 8 اگست 1975ء کے بعد، جب صادق قریشی آیا تو اس نے کچی آبادیوں کے ڈیکلریشن جاری کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے کہا کہ بھٹو صاحب نے منع کیا ہے۔

اس عرصے میں کچی آبادیوں کے خلاف کوئی کورٹ میں بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ **The Punjab Acquisition of Land (Housing) Act 1973** میں لکھا تھا کہ اس میں طے کی گئی قیمت کو کورٹ میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔ زمین کی قیمت کمیونٹی دیتی تھی۔ حکومت زمین لے کر عوامی رہائشی تنظیم کو دے دیتی تھی جو کمیونٹی سے پیسے لیکر حکومت کو دے دیتی تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے حساب لگایا کہ کچی آبادیوں میں ترقیاتی کاموں کے لیے تقریبا 700 خرچ آتا تھا۔ تو اس طرح تقریباً **900** روپے فی مرلہ زمین پڑتی تھی، جو کہ ہر کوئی دینے کے لیے تیار تھا۔ جب ضیاالحق آیا تو اس نے سب سے پہلے عوامی رہائشی تنظیم کو ختم کرنے کے لیے مارشل لاء آرڈر جاری کیا۔ عوامی رہائشی تنظیم نے کچی آبادیوں میں سروے کروانے کے لیے پلاننگ کمیشن سے چند لاکھ روپے لیے تھے۔ جس وقت عوامی رہائشی تنظیم پر پابندی لگی اس وقت اس کے اکاؤنٹ میں 22 لاکھ روپے موجود تھے۔ جو کہ اس وقت کے حساب سے کافی بڑی رقم تھی۔

کچی آبادیوں کے بارے میں پائے جانے والے چند فکری مغالطے

☆کم آمدنی والے لوگ کچی آبادیوں کی بجائے گاؤں میں بہتر طریقے سے رہ سکتے ہیں،اس لئے ان لوگوں کی شہروں کی جانب مہاجرت روکی جا سکتی ہے اور اس کو روک دینا چاہیے۔

دیہی علاقوں سے شہروں کی جانب مہاجرت ایک فطری عمل ہے،جس کو نہ روکا جاسکتا ہے نہ ہی اس کو الٹا گھمایا جاسکتا ہے۔ بہت سی حکومتوں نے اس عمل کو آہستہ کرنے،اس کا رخ تبدیل کرنے یا روکنے کی کوششیں کئیں جو کہ تمام کی تمام ناکام رہیں۔دیہی علاقوں کے کم آمدنی والے لوگ شہروں کی جانب بنیادی طور پر اس لئے آتے ہیں تا کہ اپنی سماجی اور معاشی حالات کو بہتر کرسکیں۔اچھی پالیسیوں کی مدد سے شہر سازی میں اضافے کے ذریعے دیہی علاقوں میں غربت کو کم کیا جا سکتا ہے۔

☆نئی کچی آبادیوں کے بننے کے عمل کو روکنے کا بہترین حل یہ ہے کہ ان کو مسمار کردیا جائے تا کہ یہ بن ہی نہ سکیں۔

کچی آبادیوں کو مسمار کرنے کی تمام کوشیش ناکام رہی ہیں۔وہ حکومتیں جنہوں نے ریاستی جبر اور زور کے ذریعے جبری بے دخلیاں کرنے کی کوشش کی اس سے حالات بہتر ہونے کی بجائے مزید خراب ہوئے اور ایسی ہر کوشش کے نتیجے میں نئی کچی آبادیوں کے بننے کو نہیں روکا جاسکا۔

☆ کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو شہر سے باہر ہاؤسنگ پراجیکٹ بنا کر وہاں آباد کردینے سے کچی آبادیوں کے مسئلے سے نمٹا جاسکتا ہے۔

کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو اپنی آبائی جگہوں سے دور یا شہر سے باہر لے جاکر آباد کرنے کی کوشیش خواہ وہ اپارٹمنٹ بلاک کی شکل میں ہی کیوں نہ ہوں،قابل عمل اور قرین فہم نہیں ہیں۔مختلف مما لک میں کی گئی ایسی کوششیں اپنے مطلوبہ نتائج فراہم کرنے میں ناکام رہی ہیں۔کچی آبادیوں کے رہنے والوں کی اکثریت کے سماجی تعلقات اور معاشی ضروریات شہر کے مرکزی علاقوں سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں،اس لئے شہر سے باہر ان جگہوں پر کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو جو سماجی اور معاشی رکاوٹیں اور مشکلات پیش آتی ہیں،اس کی وجہ سے ان کا وہاں رہنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

☆ کچی آبادیوں کے رہائشیوں کو فلیٹس بنا کر وہاں آباد کرنا ایک اچھا شہری حل ہے،اس سے تھوڑی جگہ پر زیادہ لوگ رہ سکتے ہیں اور خرچہ بھی کم آتا ہے۔

تحقیق اور سٹڈیز سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہائی اور مڈل رائز فلیٹس پر بھی اتنا ہی یا اس سے کچھ کم کرچ آتا ہے جتنا ایک کم آمدنی والی آبادی پر آتا ہے۔

☆کم آمدنی والے افراد ہاؤسنگ اور سہولیات کے لئے پیسے نہیں دیتے یا نہیں دے سکتے۔

حقیقیت اس کے برعکس ہے۔کم آمدنی والے افراد سہولیات کے لیے پیسے ادا کرتے ہیں اور کریں گے اگر سہولیات ان کی ضروریات کے مطابق ہوں اور اس پر ان کو بھروسہ ہو۔حقیقیت میں جب کم آمدنی والے افراد کو شہری حکومت کی جانب سے سہولیات نہیں ملتیں تو ان کا مزید استحصال ہوتا ہے اور ان کو شہری سہولیات حاصل کرنے کے لیے غیر رسمی اور غیر قانونی ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں جس کے لیے ان کو زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔

☆ کچی آبادیاں بننے کی وجہ کم آمدنی والے لوگ ہیں۔

حکومت کی غفلت اور بے حسی کچی آبادیاں بننے کی بنیادی وجہ ہے جس نے کم آمدنی والے لوگوں کے لئے رہائش کے لیے کوئی اور متبادل چھوڑا ہی نہیں ہے۔اس کے علاوہ ایسی پالیسیاں جن میں انتہائی غیر حقیقی بلند بانگ ترقیاتی معیارات اور غیر مناسب مہنگے کوڈز بنا دیئے جاتے ہیں،ان کی

وجہ سے بھی کچی آبادیاں وجود میں آتی ہیں۔

☆ کچی آبادیوں کے حالات بہتر کرنے سے سرکاری زمینیوں پر غیر قانونی طور پر رہنے والوں اور نقل مقانی کرنے والے افراد کو بڑھاوا ملے گا۔ کچی آبادیوں کو مالکانہ حقوق دینے سے شہروں کے طرف نقل مقانی کے رجحان کی حوصلہ افزائی ہوگی۔

کم آمدنی والے افراد اس لیے شہروں کا رخ نہیں کرتے تا کہ وہ شہروں میں جا کر کچی آبادیوں میں اضافہ کریں۔ وہ شہروں میں جاتے ہیں چاہے انہیں انتہائی غیر محفوظ اور برے حالات میں بھی رہنا پڑے۔ اس کے علاوہ آبادی میں ہونے والا قدرتی اضافہ شہری علاقوں میں اضافے کی بنیادی وجہ ہے، نقل مکانی یا مہاجرت کے عمل کو روکنا ایک بے ربط کاوش ہے۔

1-(PLANNING SUSTAINABLE CITIES, GLOBAL REPORT ON HUMAN SETTLEMENTS 2009, United Nations Human Settlements Programme, UN-HABITAT)

2-Low- Income Housing Strategies in Pakistan with Focus on Urban Housing by Muhammad Ali Tirmazi

3- State of the World's Cities 2010/2011, Bridging The Urban Divide, UN HABITAT

4- PLANNING SUSTAINABLE CITIES, GLOBAL REPORT ON HUMAN SETTLEMENTS 2009, United Nations Human Settlements Programme, UN-HABITAT

ایشیائی شہروں میں غریبوں کے لیے رہائشی سہولتوں کی فراہمی، شہرکاری: شہری ترقی میں غریبوں کا کردار، کتابچہ نمبر1, UN-HABITAT شائع
5- 2000 صفحہ

6-AFFORDABLE LAND AND HOUSING IN ASIA Volume 2, UN HABITAT, 2011

7-ایشیائی شہروں میں غریبوں کے لیے رہائشی سہولتوں کی فراہمی، کم آمدنی کی رہائش کاری: مناسب رہائش کی تلاش کے سلسلے میں غریب شہریوں کی مدد کے طریقے، کتابچہ نمبر 2 -UN-HABITAT,7 شائع 2000، صفحہ ۵

8-POVERTY AND SLUMS IN INDIA - IMPACT OF CHANGING ECONOMIC LANDSCAPE , by Hari Sud

9- PLANNING SUSTAINABLE CITIES, GLOBAL REPORT ON HUMAN SETTLEMENTS 2009, United Nations Human Settlements Programme, UN-HABITAT

10- عارف حسن ''ہجرت اور پاکستان میں چھوٹے شہر'' (38-39)

11- ASSESSING NEEDS AND SCOPES OF UPGRADING URBAN SQUATTERS IN BANGLADESH by Gouri S. Roy & A. Q. M. Abdullah, 2005

12- Chapter II- Informal Settlement and Urban Sustainability in Pakistan by Arif Hasan.

13- Low- Income Housing Strategies in Pakistan with Focus on Urban Housing by Muhammad Ali Tirmazi

14- Policy Guidlines Report of the Committee on Katchi Abadies, Upgrading and Urban Renewal-January 2001- Page# -29

15- An overview of present housing crises in Pakistan and a way forward by Dr. Noman Ahmad 2011

16- (تسنیم صدیقی، ڈویلپمنٹ ویژن، جون 2012)

17- Lahore Master Plan 2021, Page #

18- Lahore Master Plan 2021

19- Urban Housing Development in Pakistan; A case Study of Lahore Metropolitan Area by Prof. Dr. Ihsan Ullah Bajwa, Ijaz Ahmad and Zareen Khan

20- Shelter for the Poor: Legislation and enforcement, A case study of Islamabad by Akhtar Hameed

21- he Informal Sector in urban economy - Low Income Housing in Lahore by Imtiaz Alvi, Oxfor University Press, 1997, Page# 52

22- **Facilitating Urban Planning and Management at Local Level Through the Development of SDI (Case Study of Lahore - Pakistan) by Faisal Masood Qureshi, Abbas Rajabifard, Hamed Olfat**

23- The Informal Sector in urban economy - Low Income Housing in Lahore by Imtiaz Alvi, Oxfor University Press, 1997, Page# 52

24- Ibid Page# 53

25- Ibid Page# 55,56

26- Lahore- Urban development in the third world by Muhammad Qadeer, Page # 88- Vanguard Book Ltd 1983,Lahore

30- Ibid Page# 87

27- The Informal Sector in urban economy - Low Income Housing in Lahore by Imtiaz Alvi, Oxfor University Press, 1997, Page# 54

28- Ibid Page# 77

29- Ibid Page # 65

30- Ibid Page# 54

31- Ibid Page # 68

32- Ibid Page# 69

33- Ibid Page# 56

34- Lahore- Urban development in the third world by Muhammad Qadeer, Page # 191- Vanguard Book Ltd 1983,Lahore

35-he Informal Sector in urban economy - Low Income Housing in Lahore by Imtiaz Alvi, Oxfor University Press, 1997, Page# 54

36- http://www.citiesalliance.org/myths

37- The Informal Sector in urban economy - Low Income Housing in Lahore by Imtiaz Alvi, Oxfor University Press, 1997, Page# 69

38- Ibid Page # 70

39- DGKA Report 2010, Page# 21

40- Lahore- Urban development in the third world by Muhammad Qadeer, Page # 88- Vanguard

Book Ltd 1983,Lahore

41- Ibid Page# 190

42- **Urban Housing Development in Pakistan; A case Study of Lahore Metropolitan Area by Prof. Dr. Ihsan Ullah Bajwa, Ijaz Ahmad and Zareen Khan**

43- The Informal Sector in urban economy - Low Income Housing in Lahore by Imtiaz Alvi, Oxfor University Press, 1997, Page# 77

44- Ibid Page# 70

45- Ibid Page# 72

46- Ibid Page# 73

47- Ibid Page# 74

48- **Instructions Regarding Regulation /Development of Katchi Abadies in Punjab, Directorate General Katchi Abadis Government of Punjab,Lahore May 1987**

49- DGKA Report 2010, Page# 07

50- **Instructions Regarding Regulation /Development of Katchi Abadies in Punjab, Directorate General Katchi Abadis Government of Punjab,Lahore May 1987**

51- DGKA Report 2010, Page# 22

52- **Policy Guidlines Report of the Committee on Katchi Abadies, Upgrading and Urban Renewal-January 2001-**

53- Katchi Abadis in Punjab-Action Plan, January 2001, Page # 9, January 2001 by DGKA& UI, Punjab

54- Urban Housing Development in Pakistan; A case Study of Lahore Metropolitan Area by Prof. Dr. Ihsan Ullah Bajwa, Ijaz Ahmad and Zareen Khan

55- Interview Zahid Anjum, President, All Pakistan Katchi Abadi Alliance

56-Policy Guidlines Report of the Committee on Katchi Abadies, Upgrading and Urban Renewal-January 2001- Page# Preface

57- Ibid Page# 6 -7

58- Ibid Page# 15,16,17,18,19

59- مناسب رہائش کا حق: مقامی حکومتوں کے لئے راہنما اصول، اربن ریسورس سنٹر، کراچی، 2006، صفحہ 10

60- DGKA Report 2010, Page# 25

61- Interview Zafar Iqbal Jatala, President , Fedration of Katchi Abadis Punjab

62- DGKA Report 2010, Page# 27

63- Ibid Page# 28

64- LDA List of Notified Katchi Abadies of Lahore

65- **LDA Documents- Amjad Allyas File**

66- Progress report of Katchi abadis (2008-09) 31-05-2012, DGKA Document

67-Brief on Regularization of katchi abadis in Punjab, DGKA Document

68- (ڈی جی کچی آبادی لیٹر بتاریخ15 مئی2012)

69- Brief on Regularization of katchi abadis in Punjab, DGKA Document

70-ڈیلی سٹی42، تاریخ: 25-02-2012، صفحہ نمبر1

71- نئی بات، تاریخ: 17-01-2012، صفحہ نمبر3

72- ڈیلی سٹی42، تاریخ: 5-04-2012، صفحہ نمبر1

73- نئی بات، تاریخ: 02-11-2012، صفحہ نمبر2

74- Interview ,Hafiz Rashid Mahmood , Director Community, Directorate General Katchi Abadis Punjab